افشاں

دیکھ کر سونی عروسِ عظمتِ آدم کی مانگ
دے دیا خونِ جگر ساغرؔ نے افشاں کیلئے

ساغرؔ شغائی

اس مجموعہ کلام کی اشاعت کے لیے بھاشا وبھاگ پنجاب۔ پٹیالہ کی طرف سے دو ہزار روپے کی رقم مالی امداد کے طور پر عطا کی گئی۔

PRICE RS. 6=10 P.

کوائف مصنّف

نام - کمل جیت شرما
تخلص - ساؔغر شفائی
تاریخ پیدائش - یکم ستمبر ۱۹۲۷ء
مقام پیدائش - لائل پور (پاکستان)
تعلیم - بی-اے
سکونت - ۹ سی راجپورہ روڈ کالونی پٹیالہ -

اشاعتِ اوّل -

سن - ستمبر ۱۹۷۶ء
تعداد - ایک ہزار
خوش نویس - کرم سنگھ پاپی پٹیالہ

مطبع :- الجمعیۃ پریس دہلی

ناشر - مالوہ کتاب گھر - ۹ سی راجپورہ روڈ کالونی پٹیالہ -

ملنے کے پتے

۱- دلجیت شرما - ۹ سی - راجپورہ روڈ کالونی پٹیالہ -
۲- اشوک دیکشت 35/11 سدرشن پارک نئی دہلی نمبر 15 -
۳- کتاب گھر انجمنِ ترقّیٔ اردو (ہند) عصمت منزل مالیر کوٹلہ -
۴- ڈی - پی گوپال - بی - اے ایل - ایل - بی نمبر 67
محلہ کنگاں - سمرالہ (ضلع لدھیانہ)

انتساب

خلوص و وفا کی تصویر
ایثار و عمل کے پیکر
وطن پرست
پنجاب میں نئی نسل کے
مقبول و ممتاز لیڈر
شری برج لال گوئیل صاحب ایم ایل اے۔
کے نام

اظہارِ تشکّر

جنابِ نوبہار صابرؔ
مشہور و مقبول اعزاز یافتہ شاعر (ساہتیہ کار)
نہایت شائستہ انسان جو بذاتِ خود ایک تہذیبی
و ادبی ادارہ ہیں میرے ادبی سفر کے منوّر
چراغِ راہ بھی ہیں۔

شری وید پرکاش گپتا بڈھلاڈہ
سابق پردھان پنجاب یوتھ کانگرس
اخلاق و ادب کے پرستار۔ دوست دار
وطن پرست۔ ادبی حلقوں کے روحِ
رواں میری بیشتر نظموں کے محرّک میرے
کرم فرما دوست۔

شری بلونت سنگھ جو نیجہ
ایم اے۔ ایل ایل۔ بی ایڈوکیٹ پنجاب
و ہریانہ ہائی کورٹ۔
صدر انجمنِ ترقیٔ اردو نابھہ
حلیمی اور انکساری کا جیتا جاگتا شاہکار
میرے ہم خیال شاعر اور شاعر نواز۔ پرکشش
اور پُروقار شخصیت میرے دیرینہ دوست۔

جناب ست پال متل ایم۔ پی (راجیہ سبھا)
پنجاب کے معروف کرانتی کاری مدبّر
عظیم انسان ادب نواز صاحبِ کردار
میرے شفیق۔

شری فقیر چند گپتا بھٹنڈہ
(سابق وزیر پنجاب)
ادب پرور۔ اخلاص و شرافت کا
مجسمہ۔ مدبّر اور بلند پایہ زندہ دل
انسان۔ میرے محسن و مربّی

جناب ڈی۔ ایم۔ سونی۔ ایم اے۔ ایل ایل۔ بی
مینیجر پنجاب نیشنل بنک لدھیانہ۔
منکسر اور انسان دوست
میرے بے حد عزیز دوست

اپنی کرم فرماؤں، دوستوں اور عزیزوں کے بھرپور عملی تعاون اور حوصلہ افزائی سے
افشاں معرضِ وجود میں آئی ہے ان سبھی صاحبان کا تہِ دل سے ممنون اور
سپاس گذار ہوں۔

ساغرؔ شفائی

مندرجات

نوٹ۔ اُفشاں کی ایک سو جلدیں بھارتیہ فوج کے بک بینک اور پچاس کاپیاں اُردو کتاب گھر انجمنِ ترقیِ اُردو ہند دہلی کو مفت پیش کی جائیں گی۔

تعارف

بہت پرانی بات ہے۔ کوئی بیس برس ادھر۔ بھوپال سے ایک اردو کا مشہور ادبی ماہنامہ کردار نکلتا تھا۔ کسی عزیز نے ایک شمارہ پڑھنے کے لیے دیا۔ اس شمارے میں ایک ساتھ پریم وار برٹنی۔ سہیل اعظمی (مرحوم) اور کمل جیت عاجز کا کلام شائع ہوا تھا۔

پریم وار برٹنی صاحب سے میں غائبانہ طور پر متعارف تھا۔ تقسیم وطن کے بعد پنجاب کے جن نوجوان شاعروں نے ادبی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کیا، ان میں پریم صاحب پیش پیش تھے۔ سہیل اعظمی ہماری ادبی نشستوں میں شامل ہو چلے تھے۔ وہ بھی ادب میں نئے نئے وارد ہوئے تھے۔ لیکن کمل جیت عاجز کا نام اور کلام میری نظر سے پہلی بار گذرا۔ غزل رنگ و آہنگ کے لحاظ سے روائتی تھی مگر خلوص کی آنچ اور جذبے کی روشنی سے معمور تھی۔ بہت اچھی لگی۔

پنجاب کے ادبی افق پر ایک نئے ستارے کے طلوع سے مسرت بھی ہوئی اور موصوف سے متعلق مزید معلومات حاصل کرنے کا اشتیاق بھی پیدا ہوا۔ ان دنوں جناب مہر چند کوثر ہماری انجمن کے سیکرٹری تھے۔ انہی سے معلوم ہوا کہ عاجز صاحب بیلسو کے محکمہ زراعت میں ملازم ہیں۔ اور نابھ میں مقیم ہیں۔ اس سے زیادہ وہ بھی نہیں جانتے تھے۔

حسن اتفاق سے انہی دنوں گورنمنٹ کالج نابھ میں ایک عظیم الشان آل انڈیا مشاعرہ ہوا۔ اس مشاعرہ میں پہلی بار کمل جیت عاجز سے ملاقات ہوئی۔ اس

کے بعد اگرچہ نابھہ۔ مالیر کوٹلہ۔ پٹیالہ۔ برنالہ اور بھٹنڈہ کئی مقامات پر مشاعروں میں
عاجزؔ صاحب سے ملنے اور سننے کے مواقع حاصل ہوئے۔ لیکن کچھ ان کی جھجک اور
کچھ میری کم آمیزی کے سبب واقفیت "علیک سلیک" سے آگے نہ بڑھ سکی۔ جب پیپسو
اور پنجاب کا ادغام ہوا تو عاجزؔ صاحب نابھہ سے محکمہ آرکائیوز میں تبدیل ہو کر پٹیالہ تشریف
لے آئے اور ہماری انجمن کے سرگرم رکن بن گئے۔ اس رابطے نے انہیں میرے بہت قریب
کر دیا۔ عزیز مہر چند کوثر جب اپنی ملازمت کے سلسلہ میں پٹیالہ سے برنالہ چلے گئے تو عاجزؔ
صاحب ان کی جگہ انجمن کے جنرل سیکریٹری چنے گئے۔ میرے ہی مشورے پر انہوں
نے تخلص ساغرؔ شفائی اختیار کیا۔ تب سے آج تک ساغرؔ صاحب انجمن کے روح رواں
بنے ہوئے ہیں۔ پچھلے برسوں میں جتنی بھی ادبی ہنگامہ آرائیاں انجمن کی طرف سے ہوئیں۔
ادبی نشستیں۔ آل انڈیا مشاعرے یا کتابوں کی اشاعت ان جملہ سرگرمیوں کی قابلِ رشک
کامیابی کا سہرا ساغرؔ صاحب کی بے لوث اور پُر خلوص رضاکارانہ خدمات کے سر ہے۔ سچ
پوچھیں تو ہماری انجمن ہی ایک واحد تنظیم ہے جو پنجاب میں انجمنِ ترقیٔ اردو (ہند)
کی فعال شاخ کے طور پر گذشتہ پندرہ برس سے متواتر سرگرمِ عمل ہے اس قابلِ
ستائش صورتِ حال کا کریڈٹ جناب ساغرؔ شفائی اور ان کے دستِ راست عزیز
مہیش چپالوی کو جاتا ہے۔ اگر یہ حضرات بھی دیگر دریشنی گھوڑوں کی طرح اپنی رونمائی
کو محض تقریبات میں شمولیت تک محدود رکھتے تو شہر کی دیگر ادبی انجمنوں کی طرح
ہماری سوسائٹی کا جنازہ بھی کبھی کا اٹھ گیا ہوتا۔

ساغرؔ شفائی متوسط درجہ کے ایک براہمن خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کا
مشرقی مزاج اپنے خاندان کی قدیم اور عظیم روایات کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ آپ
زندگی کی برگزیدگی۔ حیات بخش توانائی انسان کی عظمت پرستش کی حد تک ایمان
رکھتے ہیں۔ وطن پرستی کے ساتھ ساتھ انسان دوستی کے قائل ہیں۔ زندگی کی اعلےٰ
و ارفع قدروں کے پرستار ہیں۔ مذہبی رواداری اور بے تعصبی کو انسانی شرافت
کی سب سے بڑی پہچان سمجھتے ہیں۔ تصنع اور بناوٹ سے کوسوں دور۔ دل کے

کھرے۔ بات کے پکے۔ وفاکیش اور دوستداری کی علامت۔ خلوص و محبت کا مجسمہ۔ حلم و انکسار کا پیکر۔ سادہ مزاج۔ پاکیزہ سیرت خوددار اور بے باک۔ یہ ہے اِن کے شخصی کردار کی ایک ہلکی سی جھلک۔

یوں تو ہر فنکار عام لوگوں سے زیادہ جذباتی اور حسّاس ہوتا ہے۔ مگر ساغرؔ صاحب کو یہ خصوصیات قدرت کی طرف سے خطرناک حد تک ارزانی ہوئی ہیں۔ خطرناک اسلئے کہ اپنی اِس فطری کمزوری کی وجہ سے عزیز ترین احباب کو بھی اپنے غیر متوقع روّیہ سے دل شکنی کی حد تک پریشان اور مایوس کر دیتے ہیں۔ اگرچہ (Emotion) تیز اور جذبات کا ریلا جب گذر جاتا ہے تو اپنی جلد بازی پر پشیمانی کے اظہار میں بھی تامّل نہیں کرتے۔ جن لوگوں کو ان سے زیادہ سابقہ نہیں پڑا وہ انہیں ایک اکھڑ۔ منہ پھٹ اور کرخت قسم کا خود پرست اور متکبّر آدمی سمجھتے ہیں۔ لیکن حقیقت اِس کے کس قدر برعکس ہے یہ وہی لوگ جانتے ہیں جو اِن کے بہت قریب ہیں یا جنہیں اِن کی شخصیّت کے تابناک گوشوں میں جھانکنے کے مواقع میسّر ہیں۔

اِن لمحاتی فروگذاشتوں کے قطع نظر آپ اپنے احباب کی دلجوئی کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اپنے ہم عصر ادیبوں کو ترقی کرتے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ بزرگ اہلِ قلم کی عزت اور عقیدت کے معاملے میں آپ اپنی مثال ہیں۔ اخلاقی قدروں کے شکست و ریخت کے اِس بحرانی دور میں آج کل کے اُبھرتے ہوئے فنکار عموماً اپنے پیش رو اہلِ قلم کو چلی ہوئی پھلجھڑیاں کہہ کر اپنی فضیلت اور برتری کا اظہار نہایت فخر سے کرتے ہیں۔ لیکن ساغرؔ صاحب ہم چو ما دیگرے نیست کی اس گمراہ کن چھوت سے بچے ہوئے ہیں۔ بزرگ اور ممتاز ادیبوں کی خدمتگذاری کو سعادت اور ان کے مشوروں کو اپنے لئے برکت خیال کرتے ہیں۔

ساغرؔ شفائی ہمارے معاشرے کے ایک ایسے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ معاشی پریشانیاں جس کا مقدّر ہیں۔ سماجی اور خاندانی رسُومات و روایات کا پیرِ تسمہ پا ہمیشہ جس کی گردن پر سوار رہتا ہے اور اُس کی مرضی اور خواہش

کے برخلاف اقتصادی مشکلات کی سنگلاخ وادیوں میں گھماتا پھرتا ہے۔ اس تنگ داماں سفید پوش طبقے کے کسی فرد کو فنکار کا ذہن عطا کرنا قدرت کے سب سے بڑی ستم ظریفی ہے۔ ادیب ہو یا شاعر موسیقار ہو یا مصور اگر اسے اپنی فنی اور فکری صلاحیتوں کی نشو ونما کے لئے زندگی کے بے رحم تقاضے مطالعہ و مشاہدہ اور مشق و مزاولت کی مہلت ہی نہ دیں توان کی محبوس و پابند باطنی زندگی گھٹ کر دم توڑ دے تو کیا کرے۔ فنکار بے چارہ اپنی ہوشربا معروفیات کے چکر میں ہو ہو میں اسیر تھک ہار کر ایک دن سپر ڈال دیتا ہے۔ اور باقی رہ جاتا ہے۔ ایک کلرک۔ ایک مزدور۔ ایک دوکاندار علی ہذا القیاس۔

ایسے فنکاروں کی پامردی، سخت جانی اور اپنے فن سے متعلق جنوں ساماں پرستاری قابلِ صد رشک ولائق صد آفرین ہے جو مخالف جھکڑوں کی یلغار میں بھی شوق کے چراغِ تہِ داماں کی لو کو بجھنے نہیں دیتے اور زندگی کے بے رحم فولادی ہاتھوں سے تنہائی اور فرصت کے چند لمحے چھین کر بارگاہ فکروفن کی سجدہ گذاری میں بسر کرنے کی مجاہدانہ ہمت اور جرأت رکھتے ہیں۔ ساغر شفائی صحیح معنوں میں ایسا ہی ایک مجاہد ہے۔ اس نے نہایت ناسازگار حالات کے باوجود نہ صرف اپنی فکری اور فنی صلاحیتوں کو زمانے کی دست برد سے محفوظ اور سلامت رکھا ہے بلکہ نہایت سلیقے سے اس نرم و نازک پودے کو اپنے خونِ جگر کی آبیاری سے توانا اور تناور شجر بنا دیا ہے۔ جو کسی بھی طوفانِ حوادث کے مقابل سر بلند و سرفراز رہنے کی قدرت رکھتا ہے

ساغر شفائی نے جب شاعری کا آغاز کیا ترقی پسند تحریک کا شیرازہ اس سے بہت پہلے بکھر چکا تھا۔ حالانکہ اس تحریک و تنظیم سے ان کا کبھی کوئی واسطہ نہیں رہا لیکن ذہنی طور پر آپ ترقی پسند شاعری سے متاثر نظر آتے ہیں۔ زندگی کی وہ اقدار جن سے انسانیت کی آبرو اور اعتبار قائم ہے انہیں دل و جان سے عزیز ہیں۔

طبقاتی کشمکش کی عکاسی۔ جائعنی احساس، بیان کی سادگی اور صراحت رجائیت۔ پرامید خواب تراشی۔ حال سے بیزاری مگر مستقبل کے روشن ہونے کا

پیام۔ یہ سب کچھ ترقی پسند شاعری سے منسوب ہے اور ساغرؔ صاحب کے کلام میں یہ تمام عناصر موجود ہیں۔

کہاں کی عشرت کہاں کی راحت مجھے ہے جینے کی تھوڑی مہلت
غمِ محبت کو کیا کروں میں پکارتا ہے غمِ زمانہ
ہنسی اُڑاؤ نہ خاکساروں کی شیش محلوں میں رہنے والو
اُٹھا کے پتھر تمہاری جانب لپک نہ آئے کوئی دوانہ
مرے خدایا میں تیری دنیا میں ایسے انساں کو ڈھونڈتا ہوں
اُکھاڑ پھینکے جو تیشۂ فکرِ نو سے کوہِ غمِ زمانہ

پڑا جو وقت تو شمشیر بھی اُٹھا لیں گے۔ بڑھیں گے سینۂ ظلمت کو چیر ڈالیں گے
کہو یہ ساقیٔ خود سر سے اب روش بدلے۔ و گرنہ رندیہ مے خانہ توڑ ڈالیں گے

جس شب کے زبوں سائے میں گم تھی رہِ منزل
اُس شب کو سزاوارِ سحر ہم نے کیا ہے

بنے گا ہواؤں کا قریہ اک دن۔ بھنور میں کا ڈوبے گا سفینہ اک دن
سیلابِ بلا خیز میں ہوگا تبدیل۔ مزدور کے ماتھے کا پسینہ اک دن

مزدور کے ماتھے کے پسینے کو سیلابِ بلا خیز میں تبدیل ہو کر سرمایہ داری کے سفینے کو غرقاب کرنے کا آرزو مند یہ شاعر خود ایک سفید پوش مزدور ہے جسے دو وقت کی روٹی کا انتظام کرنے کے لئے صبح سے شام تک کولھو کے بیل کی طرح محنت کرنا پڑتی ہے۔ لیکن پھر بھی نہالِ آرزو بے برگ و بار ہی رہتا ہے۔ ساغرؔ صاحب نہایت صبر آزما دور سے گذرے ہیں اور آزمائشوں کا یہ آسیب اب بھی بلائے بے درماں کی طرح اِن کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اِس پرآشوب زندگی کا اِن کے ذہن پر جو ردِ عمل ہوا ہے اس کا اظہار اِن کے کلام میں مختلف پیرایوں میں ملتا ہے۔

؎ ہمیں نے اپنے لہو سے کیا چمن سیراب ۔ مزاجِ اہلِ گلستاں ہمیں سے برہم ہے

عجب تیرگی ہے عجب خامشی ہے ۔ یہی زندگی ہے تو کیا زندگی ہے؟
طائرِ شوق نہ پر تول کہ میرا ماحول ۔ وہ قفس ہے جہاں گنجائشِ پرواز نہیں

اُٹھائے دل نے وہ صدمے کہ اب یہ عالم ہے
کسی نے پیار سے دیکھا تو اشک اُمڈ آئے

یہ بات الگ ہے کہ ہو لبِ گُل کی طرح خنداں
مجبورؔ جوانی مری کانٹوں میں پلی ہے

اے دل بھلا تو بھاگ کر جائیگا کس جگہ
یہ غم یہ حادثے یہ مصائب کہاں نہیں

جہاں تک حدیثِ دلبراں والی غزلیہ شاعری کا تعلق ہے ساغرؔ صاحب نے اس طرف بہت کم توجہ دی ہے چنانچہ روائتی عشقیہ شاعری کا حُسنِ تغزّل ان کے اشعار میں نہ ہونے کے برابر ہے ۔ معاملہ بندی ۔ لذت اندوزی ۔ راز و نیاز قسم کے موضوعات سے بھی اِن کی غزل بے نیاز نظر آتی ہے اس کا سبب بھی ساغرؔ صاحب کا ذہنی طور پر اس اصلاحی تحریک سے وابستگی ہے جس کی داغ بیل مولانا حالی نے ڈالی تھی اور جو اقبال ۔ چکبست اور محرومؔ سے نیا آب و رنگ لے کر ترقی پسندوں تک پہنچی اس لئے اُنکی غزل بھی فرد سے زیادہ جماعت اور ذاتی سے زیادہ اجتماعی یا عمومی اظہار کی نمائندگی کرتی ہے ۔ مجموعی طور پر ان کی غزل غمِ عشق کی کم اور غمِ روزگار کی زیادہ آئینہ داری کرتی ہے ۔

ماحول سے اثر پذیری ایک فطری خاصہ ہے ۔ چنانچہ جدیدیت کے مثبت عناصر اور نئی حسیّت اُن باشعور فن کاروں کے ہاں بھی دکھائی دینے لگی ہے ۔ جو عمر کے لحاظ سے جدید نسل سے تعلق نہیں رکھتے یا جو ذہنی طور پر روائتی یا ترقی پسند شاعری سے متاثر رہے ہیں ۔

ساغر صاحب کی حالیہ کہی ہوئی غزلوں میں اس رجحان کا پرتو صاف جھلکتا ہے۔

اُس مکاں کی دل کشی تسلیم لیکن دوستو!
دیکھنے کی بات یہ ہے اُس میں رہتا کون ہے؟

بے بلائے روز آجاتا ہے تنہائی کے وقت
مجھ کو آئینہ دکھاتا ہے یہ لڑکا کون ہے؟

غ جو ہوسکے جواب دے میرے سوال کا۔ ممکن نہ ہو تو آ کوئی تجھ سے سوال کر

صحرا صحرا بھری اُڑانیں ایک بوند جل پانے کو
جھیل پہ آکر توڑ دیا دم آخر پیاسے پنچھی نے

۵ میں اُسے دیکھا کیا جب تک نظر آتا رہا۔ ریل کی کھڑکی سے نازک ہاتھ لہراتا رہا

ہائے وہ پہلی رات ملن کی کیسے چُپ کی بھینٹ ہوئی
یہی سوچتے ہوا سویرا شائد کچھ فرمائے چاند

ساغر صاحب چونکہ شاعری جزو بیست از پیغمبری کے قائل ہیں۔ اور فن کی بذات خود کوئی اہمیت نہیں سمجھتے جب تک وہ کسی بڑے مقصد کے لئے بروئے کار نہ لایا جائے اور بڑا مقصد ان کے نزدیک سماجی۔ سیاسی۔ ثقافتی عمومی .... اور وقتی مسائل پر صالح اور صحت مند اظہارِ خیال۔ اس مقصد کے حصول کے لئے تنگنائے غزل اتنی موزوں نہیں ہوسکتی جتنی کہ نظم چنانچہ ساغر صاحب نے موضوعاتی شاعری کیلئے بیشتر نظم ہی کو اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا ہے۔ جو قارئین کو دعوت فکر و نظر دیتی ہیں۔

وطنیت اور انسانیت اِن کی فکر و نظر کا مرکز ہیں۔ اپنی قوم اور وطن کیلئے اِن کے دل میں بے پناہ محبت ہے۔ اور وطن کی برگزیدہ شخصیتوں کیلئے والہانہ عقیدت۔ اس لئے ان کی بیشتر نظمیں انہیں موضوعات سے متعلق ہیں۔ انسانی فلاح و بہبود کے لئے ان کے دل میں جو شدید جذبہ ہے اس کا ثبوت ان کی خوبصورت نظم "خواب" ہے جو ہیئت۔ اسلوب اور تاثر انگیزی کے لحاظ سے ایک کامیاب بلکہ

شاہکار نظم ہے اور اُردو شاعری میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ اسی طرح لب و لہجہ کے انداز تیکھے پن اور تسلسل کے اعتبار سے اِن کی معرّا نظم "نیند" اُن کے شاعرانہ کمال کی مظہر ہے۔ حالاتِ حاضرہ پر اِن کی نظم "شکستِ شب" میں مرکزی خیال، زورِ بیان اور روانی قابلِ دادو تحسین ہے۔ غزل اور نظم کے علاوہ ساغرؔ صاحب نے قطعات اور رُباعیات پر بھی کامیاب تجربے کئے ہیں۔ کچھ ادبی اور تحقیقی مضامین بھی لکھے ہیں جو ادبی حلقوں میں بہت پسند کئے گئے۔ اُن میں "پنجاب میں اُردو شاعری" اور "صنفِ رُباعی اور شعرائے پنجاب" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ارتقاپذیری اِن کی فطرت میں ہے اور انہیں اپنی منزلِ شوق تک پہنچنے کا احساس مضطرب رکھتا ہے جس کا اظہار انہوں نے ایک شعر میں یوں کیا ہے۔

میں اپنے وجدان و ذوقِ شعری سے آج تک مطمئن نہیں ہوں
اگرچہ اک عمر سے ہے ماحول میری محفل کا شاعرانہ

یہ بے اطمینانی فنکار کے لئے ایک نیک فال ہے۔ یہی احساس تو اُسے خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رکھتا ہے۔ جو شاعر یا ادیب اپنی فنی تحصیلات سے مطمئن ہو جاتا ہے آئندہ ترقی کے دروازے اُس پر بند ہو جاتے ہیں۔ پھر یا تو وہ خاموش ہو جاتا ہے یا زیادہ سے زیادہ اپنے آپکو دوہرانے لگتا ہے۔

اس مضمون سے میرا مقصد ساغرؔ شفائی کی شخصیت، مزاج، افتادِ طبع اور اُن کے شعری رجحانات سے تعارف کرانا ہے اُنکی شاعری کے معیار و محاسن اور معائب کا محاسبہ کرنا قارئین اور اہلِ نظر تبصرہ نگاروں کا کام ہے جو زیرِ نظر اُن کے شعری مجموعے "افشاں" کے مطالعہ کے بعد ہی سرانجام دیا جائے گا۔

مرڈھیہ آشرم۔ راگھو ماجرا
پٹیالہ
۵ / اگست ۱۹۷۶ء

نوبہار صابر

اپنی بات

میں نے جب اپنی زندگی کی اولیں سحر دیکھی اُسوقت ہندوستان انگریزوں کا غلام تھا۔ میری تربیت سخت نگرانی میں ہوئی۔ والدین اور اساتذہ نے مجھے اُس ڈسپلن میں ڈھالا جسے میں زندگی کا سب بڑا جوہر سمجھتا ہوں۔ سِن بلوغ کو پہنچا تو بری فوج میں ملازمت اختیار کرلی۔ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے پر اسی ملازمت کے دوران مجھے دیگر ممالک برما، سنگاپور، جاوا، سماٹرا اور جاپان دیکھنے کا موقع ملا۔ جنگ کی تباہ کاریوں کے سبب وہاں بھوک اور افلاس کے مارے ہوئے انسان کو دیکھا۔ تو کانپ کانپ گیا۔

وطنِ عزیز کی تقسیم دیکھی۔ دونوں طرف بربریت کا ننگا ناچ بھی ان آنکھوں کو دیکھنا اور دل کو برداشت کرنا پڑا۔ فوج سے ریلیز ہوا تو فکرِ معاش نے پھر نوکری کرنے پر مجبور کیا۔ آزادی کی دُھن تو سب کو تھی، اِس کیلئے سبھی مُدت سے جد وجہد کر رہے تھے آزادی ملی۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ بھارت کا پُنر جنم ہوا۔ ہماری ثقافتی زندگی بالکل مفلوج ہو چکی تھی۔ ایسے ماحول میں ہمارے دیش کے رہنماؤں نے کمال خوبی سے تمام مسائل کو حل کرنا شروع کیا۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ ہم میں خود غرضی، مطلب براری، چور بازاری، رشوت خوری اور ڈسپلن شکنی کی بد عتیں پیدا ہوئیں۔ کچھ لوگوں نے تو آزادی کی آڑ میں قانون کو بھی اپنے زیر فرمان سمجھنا شروع کر دیا۔ یہ ہے میری شاعری آغاز سے پہلے کے میرے ماحول کا سرسری خاکہ۔ چونکہ میں پروفیشنل شاعر نہیں اسلئے مجھ سے تفریحی یا جنس زدہ شاعری کی توقع کرنا میرے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ پہلے میرے ماحول کا جائزہ لیں اور اس کے بعد میرے جذبۂ خلوص پر نظر ڈالیں۔ شاعری سے متعلق میرا نظریہ یہ ہے کہ ہر پہلو سے بامقصد ہو۔ میں نے جو اپنے

لئے بالاستہ منتخب کیا ہے۔ وہ بہ وطن پرستی اور انسان دوستی ہیں اُن روایت پرستوں کا عقیدت مند ہوں جنہوں نے اس زبان کو بے حد پاکیزہ اور تہذیبی بنایا ہے۔ ترقی پسند شاعروں اور ادیبوں کا پرستار ہوں جنہوں نے انسانی عظمت اور آزادی کیلئے لہرا لہرا کر زمزمے گائے اور جدید فنکاروں کو بہت عزیز سمجھتا ہوں جنہوں نے اپنی فکر انگیز شاعری سے زبان کو گہرائی اور گیرائی دی ہے۔ میں پٹیالہ مکتبِ خیال سے تعلق رکھتا ہوں اور مجھے جناب نوبہار صابر کی محفل کی حاشیہ نشینی کا شرف حاصل ہے یہی ایک وجہ ہے۔ کہ مجھ میں جذب کرنے کی قوت اور لچک ہے۔ میں نے اپنی بساط کے مطابق تینوں ادوار کے شعرا کو پڑھا ہے۔ میں ہر اچھے شاعر سے متاثر ہوں مگر کسی کی صدائے باز گشت نہیں۔ میں اپنی "انا" کا شکار نہیں اور نہ ہی کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہوں۔ مجھے اپنے متعلق پوری طرح علم ہے اور کبھی کسر نفسی میں نہیں پھنسا۔ بے راہ روی اور نقالی کو ادب کیلئے زہر قاتل سمجھتا ہوں۔

میں نے جو کچھ گذشتہ بیس برسوں میں کہا ہے اُسکا انتخاب "اُفشاں" کے روپ میں پیشِ خدمت ہے۔ اس میں کچھ ایسی نظمیں بھی ہیں جنہیں کچھ لوگ مذہبی عقیدے۔ قصیدے اور مرثیے کا نام دیں گے۔ مگر اس سلسلے میں نہایت ادب سے گذارش ہے کہ بزرگوں کا احترام کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور فرض کی ادائیگی پر کیوں کر اعتراض ہو سکتا ہے۔ میری شاعری میں فنی غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں۔.......... کیونکہ میں تو عوام میں سے ہوں نہ تو الہامی شاعر ہوں اور نہ ہی کوئی مسلم الثبوت عروضی میرا مقصد صرف آپ کو اپنے محسوسات کے چہرے دکھانا ہے اور آنے والی نسل کو اپنا ہم خیال بنا کر وطنِ عزیز سے سچی محبت اور انسانی عظمتوں کا احساس دلانا ہے۔

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

ساغر شفائی

عکسِ خیال

بابائے اعظم

(گورو نانک دیو جی)

— زندگی جب یورشِ اوہام سے کجلا گئی
عرش پر شمس و قمر سرگوشیاں کرنے لگے
اِس زمیں پر کُفر کی پُرہول ظُلمت دیکھکر
دیوتا گھبرا کے فریاد و فُغاں کرنے لگے

— چونک اُٹھا معمارِ ہستی سُن کے فریادوں کی گونج
آخر اپنے دیوتاؤں کو وچن دینا پڑا
موت کے جبڑوں سے انساں کو چھُڑانے کیلئے
خوش مُقدّر بیدیوں کے گھر جنم لینا پڑا

وہ مقدّس سرزمیں ہم جسکو ننکونڈی کہیں
نُور کو جس جا بشر کے روپ میں ڈھلنا پڑا
اُس مقدّس ارض کی پاکیزگی کا کیا جواب
میرے ستگور کو جہاں گھٹنوں کے بَل چلنا پڑا

نغمۂ وحدت الاپا ایسا دل کے ساز پر
دولتِ عظمت سے درویشی کا دامن بھر دیا
تو نے اے بابائے اعظم دہر کے زہراب کو
اپنی بانی کے کرشمے ہی سے امرت کر دیا

اے مرے نانک مرے رہبر ترا ہر نقشِ پا
تب بھی سنگِ میل تھا اور اب بھی سنگِ میل ہے
امنِ عالم کے مُغنّی وہ ترے نغموں کی لَے
بزمِ ہستی کی فضا میں آج بھی تحلیل ہے

میرے مرشد میرے ستگور تجھ کو ساغر کا سلام
تجھ کو سجدہ کرتی ہے میری بہارِ گُلستاں
آج اے سرمایۂ نازِ وطن ہر لب پہ ہے
تیرے لافانی تقدّس کی سُنہری داستاں

مہاکوی ٹیگور

(نذرانۂ عقیدت)

اے سخنور! اے امیرِ کشورِ لوح و قلم
اے حقیقت آشنا! اے شاعرِ فطرت نگار
آج تک پنہاں رہی جو پردۂ اسرار میں
وہ صداقت تو نے کر دی زندگی پر آشکار

رکھ کے اک فانوسِ رنگیں وقت کی محراب پر
منزلِ امروز و فردا کو درخشاں کر دیا
شاعرِ اعظم! ترے افکار کے انوار نے
زندگی کی تیرہ راہوں میں چراغاں کر دیا

بے نیازِ قیدِ ماہ و سال ہے تیری نوا
آج بھی دل کے قریں تو زمزمہ پرداز ہے
تیرا سازِ فکر تب بھی وقت کی آواز تھا
تیرا سازِ فکر اب بھی وقت کی آواز ہے

وہ نوائے جذب و مستی وہ صدائے سرخوشی
جس کے اک اک حرف میں غلطاں سرورِ سرمدی
جاوداں ہے تیرے فردوسِ تخیّل کی بہار
جس کو عُرفِ عام میں کہتے ہیں "ہم گیتا انجلی"

فکرِ تازہ کا لہو دے کر مریضِ قوم کو
اے مسیحا! تُو نے بخشی ہے حیاتِ جاوداں
لہلہا اُٹھّا ترے شاداب نغموں سے چمن
بن گیا عہدِ کہن کی داستاں دورِ خزاں

اے مقدّس رُوح تیری نذر کرنے کیلئے
چند گلہائے عقیدت لے کے آیا ہوں یہاں
کس طرح جذبات کو الفاظ میں ظاہر کروں
نطق کے سانچے میں ڈھل سکتا نہیں سوزِ نہاں

اے رسُولِ نغمہ! اے پیغمبرِ شعر و ادب
اے سپہرِ علم و فن کے ضو فشاں ماہِ تمام
بزمِ گیتی جلوہ ساماں ہے تری تنویر سے
تیری رفعت تیری عظمت کو مرا جھک کر سلام

سرزمینِ پنجاب

جس کے ذرّوں میں تاروں کی تابانیاں
چومتا ہے جبیں جسکی عرشِ بریں
جس پہ قرباں ہے جنّتِ رنگ و بُو
ہے مرا دیس پنجاب کی سرزمیں

میرا پنجاب زندہ دِلوں کا وطن
انجمن، انجمن شادماں شادماں
اِسکے خندہ جبینوں کی تنویر سے
رہگذر رہگذر کہکشاں کہکشاں

شوخ، چنچل، نویلی، دلہن کی طرح
اِسکے پہلو میں خطّۂ کشمیر ہے
دُودھیا برف کی سر پہ دستار ہے
اور ہاتھوں میں فطرت کی تصویر ہے

ویدؔ نازل ہوئے اِس زمیں پر کبھی
اور وارثؔ سے شاعری کی محفل سجی
سازِ فطرت اُٹھایا جو اقبالؔ نے
رقص کرنے لگی وجد میں زندگی

جب بھی عشق و وفا کی کہانی چلی
نام رانجھے کا دُنیا کو تڑپا گیا!
جب کبھی چھڑ گیا تذکرہ حُسن کا
ہیر کا عکس آنکھوں میں لہرا گیا

یہ وہ شعلہ ہے جو ہر کڑے دَور میں
اپنے ماحَول کی ظُلمتوں سے لڑا
یہ سفینہ تلاطم کی آغوش میں
رقص کرتا ہوا سوئے منزل بڑھا

اِس کے ہونٹوں پہ تنظیم کا گیت ہے
اِس کے ہاتھوں میں تعمیر کا ساز ہے
اِس مغنّی کے نغموں کی پُرسوز لَے
اک نئے دَورِ زرّیں کا آغاز ہے

عزم کی جان ہیں امن کے پاسباں
اِس کے بانکے سرو قد سجیلے جواں
ہے مرا دیش پنجاب کی سرزمیں
فخرِ ہندوستاں شانِ ہندوستاں



دو شعر

شمعِ افسردہ کو پھر شعلہ بداماں کر دیا
انجمن تاریک تھی ہم نے چراغاں کر دیا

اک جہانِ خار و خس صدیوں سے تھا دشتِ وطن
سرخیٔ خونِ شہیداں نے گلستاں کر دیا

آزادی ہے آزادی

قدم ملا کے بڑھتے جاؤ آزادی ہے آزادی
جشن مناؤ، ناچو، گاؤ آزادی ہے آزادی

آج کے دن زنجیر غلامی کی پیروں سے ٹوٹی تھی
آج کے دن بھارت ماتا صیادوں کی قید سے چھوٹی تھی
نئی صبح کی شوخ کرن تاریکی چیر کے پھوٹی تھی
جھوم جھوم کر تان اُٹھاؤ آزادی ہے آزادی
قدم ملا کے بڑھتے جاؤ آزادی ہے آزادی

یاد کرو اس شمع پہ جل جانے والے پروانوں کو
دار کو ہنس کر چومنے والے اُن بانکے دیوانوں کو
جن کے دیوانے پن ہی نے جھنجھوڑا ایوانوں کو
آج اُنہی کی یاد مناؤ آزادی ہے آزادی
قدم ملا کے بڑھتے جاؤ آزادی ہے آزادی

دیکھو آج ترنگا کیسی عظمت سے لہراتا ہے
اور بلندی پہ جانے کو بار بار بَل کھاتا ہے
خاموشی سے امن کا دُنیا کو پیغام سُناتا ہے
مل کر امن ترانہ گاؤ آزادی ہے آزادی
قدم ملا کے بڑھتے جاؤ آزادی ہے آزادی

شوخ سنہری کرنوں کی بارش میں رقص بہاروں کا
جس کو دیکھ کے پانی پانی روپ ہے چاند ستاروں کا
چپّہ چپّہ منظر ہے جنّت سے حسیں نظاروں کا
اپنی جنّت کے گُن گاؤ آزادی ہے آزادی
قدم ملا کے بڑھتے جاؤ آزادی ہے آزادی

تمہیں ہو ساقی تمہیں ہو محفل تمہیں ہو جانِ میخانہ
جوشِ طرب کی مستی سے لبریز ہے دل کا پیمانہ
سب کو ایک نظر سے دیکھو زاہد ہو یا مستانہ
بھر بھر کر ساغر چھلکاؤ آزادی ہے آزادی
قدم ملا کے بڑھتے جاؤ آزادی ہے آزادی

بھارت ماں کی آنکھ کے تارے ویروں کی سنتان ہو تم
جن کے آگے موت جھکے وہ مہابلی انسان ہو تم
باپو کے خوابوں کی آشا نہرو کا ایمان ہو تم
مانوتا کی شان بڑھاؤ آزادی ہے آزادی
قدم ملا کے بڑھتے جاؤ آزادی ہے آزادی



ے دیکھ لیں سُن لیں سمجھ لیں مُجھ کو اہلِ انجمن
وقت کی مانند میں بھی لوٹ کر آتا نہیں

آزادی کے بعد

شب کے سناٹے میں آزادی کی شہنائی بجی
محفلِ ارض و سما پر چھا گئیں رعنائیاں
جھوم اٹھی فرطِ مسرت سے بہاروں کی دلہن
ہر کلی لینے لگی مستی بھری انگڑائیاں

مطلعِ ہندوستاں سے غم کے بادل چھٹ گئے
زیست کے رخ پر مسرت کی کرن لہرا گئی
سرخیٔ خونِ شہیداں صورتِ نورِ شفق
صبحِ نو کا دل نشیں پیغام لیکر آ گئی

آج ہم آزاد ہیں اپنا وطن آزاد ہے
روشنی ہی روشنی ہے بزمِ مہر و ماہ میں
لے کے آئی ہے صبا گلشن میں پیغامِ بہار
کھل رہی ہیں نرم کلیاں زندگی کی راہ میں

نغمہ زن ہے سازِ عشرت پر عروسِ زندگی
وجد میں آئی ہوئی ہے گردشِ شام و سحر
ڈھل چکی ہے ظلم و استبداد کی تاریک رات
شمعِ آزادی کو خطرہ ہے بگولوں سے مگر

امن کے دشمن ابھی تک کر رہے ہیں سازشیں
بیکسوں کا خون پینا چاہتے ہیں جنگباز
زیست ہے سہمی ہوئی انسانیت خطرے میں ہے
شعلہ ریزی کر رہا ہے گردشِ دوراں کا ساز

ساتھیو! اٹھّو ذرا عزمِ جواں سے کام لیں
ہر بلائے ناگہانی کو مٹانا ہے ہمیں!
دیش دشمن طاقتوں کا سر کچلنے کے لئے
اجتماعی جہد کا بیڑا اٹھانا ہے ہمیں

ساتھیو! اٹھّو اندھیروں کا کلیجہ چیر دیں
شب کی ظلمت میں سحر کی روشنی بنکر بڑھیں
موت بھی گھبرا کے جھک جائے ہمارے پاؤں پر
اس طرح دل میں جنونِ زندگی بنکر بڑھیں

عہد

ہجومِ لالہ و گُل پر فروغِ رنگ و نکہت پہ
بجا ہے ناز ہم جتنا کریں فردوسِ بھارت پہ
یہ مانا کچھ وطن دُشمن یہاں فتنے جگاتے ہیں
ہماری گُل زمیں کو خارزارِ غم بناتے ہیں
اُٹھاتے ہیں کہیں یوں شورشیں مذہب کے دیوانے
کہ تھرا اُٹھتا ہے کعبہ لرزتے ہیں صنم خانے
زباں کے نام پر کوئی ستم ایجاد کرتا ہے
کوئی اپنے علاقے کیلئے فریاد کرتا ہے
خِرد کے نام پہ زہرِ جنُوں پھیلایا جاتا ہے
غُبارِ غم سے راہِ شوق کو دھُندلایا جاتا ہے

مگر اے مادرِ ہندوستاں کس بات کا غم ہے
ابھی تیرے وفا پیکر پرستاروں میں دم خم ہے

قسم ہے ہم کو تیری بے خزاں رنگیں بہاروں کی
قسم ہے وادیوں کی گنگناتی آبشاروں کی
قسم ہے لہلہاتی کھیتیوں کی کوہساروں کی
قسم ہے گلشنِ کشمیر کے دلکش نظاروں کی
قسم ہے ستلج و گنگا کے پُر رونق کناروں کی
قسم ہے مندروں کی مسجدوں کی گوردواروں کی
قسم ہے تیرے دیوانوں کی تیرے جاں نثاروں کی
قسم ہے آسماں پر ان درخشاں چاند تاروں کی
تری پُرنور آنکھیں نم کبھی ہونے نہیں دیں گے
تری عظمت کا پرچم خم کبھی ہونے نہیں دیں گے



"شمس و قمر"

(ھندو سکھ اتحاد کیلئے)

لالہ و گُل کی بہاروں کو جُدا کہتا ہے کون؟
آسماں سے چاند تاروں کو جُدا کہتا ہے کون؟
گوشت اور ناخن کا رشتہ ہندؤوں سکھوں میں ہے
اک ندی کے دو کناروں کو جُدا کہتا ہے کون؟

سکھ اگر ہے چاند تو ہندو فلک پر آفتاب
اپنی اپنی روشنی پر دونوں اِتراتے نہیں
رات دن رہتے ہیں اک ہی راستے پر گامزن
اور پھر بھی وہ کبھی آپس میں ٹکراتے نہیں

ایک ہے بر ربط اگر تو دُو سرا سنگیت ہے
جن کو سُن کر وجد میں آتی ہے ساری کائنات
ساتھیو چھیڑو محبّت کی بہاروں کا وہ راگ
جس سے رقصاں ہو لبِ ہر لالہ و گُل پر حیات

چند رہزن پھر رہے ہیں رہبروں کے بھیس میں
لُوٹنے کو زندگی کی دل کشی ہر گام پہ
آدمیّت چھوڑ کر کچھ بن رہے ہیں بھیڑیئے
بدنُما دھبّہ ہیں وہ انسانیت کے نام پر

زندگی کے ہر تقاضے کی حفاظت کے لئے
وقت کا اعلان ہے کندھے سے کندھا جوڑ دو
بڑھ رہا ہے تفرقہ پردازیوں کا سیلِ تُند
اس کا رُخ تم پیار کی چٹّان بن کر موڑ دو

شہیدانِ وطن

دردمندانِ وطن کہیئے کہ دربانِ وطن
کر گئے اک معجزہ وہ سینہ چاکانِ وطن
ڈھل گئی انوار میں ظلماتِ ایوانِ وطن
رشکِ گلشن بن گیا صحنِ بیابانِ وطن
"رنگ لائی سُرخیِ خُونِ شہیدانِ وطن"

جلیانوالہ کا وہ خُونیں فسانا یاد ہے
یاد ہے وہ گولیوں کا وَندنانا یاد ہے
راجہ شیکھر بھگوتی کا وہ زمانا یاد ہے
وہ پرستارانِ مِلّت وہ فدایانِ وطن
کُفر میں مُضمر تھا جن کے طُرفہ ایمانِ وطن

افشاں

شمعِ آزادی کے لیکن اب وہ پروانے کہاں؟
وہ صلیب و دار کی منزل کے دیوانے کہاں؟
جانے صہبائے جنوں کے اب وہ پیمانے کہاں؟
جھومتے تھے جن کو پی کر تشنہ کامانِ وطن
وہ بلا نوشانِ غم، شانِ خمستانِ وطن

پھر کوئی اودھم یہاں اودھم مچائے تو کہیں
حوصلہ کوئی بھگت سنگھ سا دکھائے تو کہیں
پھر سراپا سر بکف مقتل میں آئے تو کہیں
"جب رگِ جاں سے رفو کرتے ہوں مردانِ وطن
چاک رہ سکتا نہیں کوئی گریبانِ وطن"

نوجوانو! آج پھر خطرے میں ہے صحنِ چمن
آشیاں کی تاک میں پھرتی ہے برقِ شعلہ زن
اے وطن کے عاشقو! ہاں پھر وہی دیوانہ پن
پھر وہی عزمِ جہادِ سرفروشانِ وطن
پھر دکھاؤ ہنستے ہنستے ہو کے قربانِ وطن

قومی یکجہتی

مرے رفیقو! کبھی تو سوچو سمے کے لب پر سوال کیا ہے؟
یہ خود پرستی، یہ خود نمائی، یہ خود فریبی، کمال کیا ہے؟
تمہارے اعمال پر شہیدوں کی آتماؤں کا حال کیا ہے؟
کبھی تو سنجیدگی سے سوچو عروج کیا ہے زوال کیا ہے؟
"وطن جو اک ہے تو اپنی اپنی الگ حدوں کا سوال کیا ہے؟"

ہے ایک مسکن مکیں ہزاروں، ہے ایک گلشن ہزار کلیاں
ہے ایک منزل ہزار رستے، ہے ایک دل تو ہزار ارماں
ہے اک خدا ہی سبھی کا مرکز کوئی ہو ہندو کوئی مسلماں
ہے کس کے ایماں کو کس سے خطرہ یہ جاہلانہ خیال کیا ہے؟
"وطن جو اک ہے تو اپنی اپنی الگ حدوں کا سوال کیا ہے؟"

نئی ہوائیں، نئی فضائیں، نئی بہاریں نیا زمانہ
"چمن کے ہم ہیں چمن ہمارا، ابھر ایک لب پر ہو یہ ترانہ
جلاؤ خونِ جگر سے شمعیں کہ جگمگائے ہر آشیانہ
کہیں اُجالا کہیں اندھیرا یہ رنگ کیا ہے یہ حال کیا ہے؟
"وطن جو اک ہے تو اپنی اپنی الگ حدوں کا سوال کیا ہے؟"

تمہاری خاطر تمہیں خبر ہے کہ کتنے جَور و ستم سہے ہیں؟
وطن کی تقسیم جب ہوئی تو لہو کے دریا یہاں بہے ہیں؟
زُبان و مذہب کی آڑ میں جو عوام کو ورغلا رہے ہیں!
شعور مندو! بغور دیکھو کہ اُن کی در پردہ چال کیا ہے؟
"وطن جو اک ہے تو اپنی اپنی الگ حدوں کا سوال کیا ہے؟"

وہ دیکھو مشرق سے صبحِ نَو کا دمکتا سورج نکل رہا ہے
یُگوں سے چھایا ہوا اندھیرا سنہری کرنوں میں ڈھل رہا ہے
وشال بھارت کا آج پرچم یوں آسماں پر مچل رہا ہے
نگاہِ بد سے جو اسکو دیکھے کسی کی اب یہ مجال کیا ہے؟
"وطن جو اک ہے تو اپنی اپنی الگ حدوں کا سوال کیا ہے؟"

جیئں گے تو بھی وطن کی خاطر وطن کی خاطر ہی ہم مریں گے
رواں ہے جب تک لہو رگوں میں اُسی کی اُلفت کا دم بھریں گے
سیم کی تختی پہ یہ نوشتہ لہو سے اپنے رقم کریں گے
"وطن پہ قربان یہ زندگی ہو تو اس سے بڑھ کر کمال کیا ہے؟"
"وطن جو اک ہے تو اپنی اپنی الگ حدوں کا سوال کیا ہے؟"



دو شعر

آج لب پر ہیں ہمارے امن کے وہ زمزمے
جن کی لَے نے جنگبازوں کو پریشاں کر دیا

شکریہ اے جذبۂ حبِّ وطن صد شکریہ
تو نے ساغر کو سرِ محفل غزلخواں کر دیا

دورِ جمہور

یاد ہے ہم کو عہدِ غلامی ابھی
شکوۂ جور کی بھی اجازت نہ تھی
وہ سیاست چلی بخبر نے الاماں!
بھائی کو بھائی سے بھی محبّت نہ تھی

ظلم سہتے رہے ضبط سے لب سیئے
رکے پلکوں پہ ہم آنسوؤں کے دیئے
صورتِ قیس برسوں بھٹکنا پڑا
لیلیٰ دورِ جمہور تیرے لئے

ہم سُلگتے رہے بس اِسی فکر میں
کس گھڑی ہوگا آزاد ہندوستاں
کب نویدِ سحر کا بجے گا گجر
کب رواں ہوگا یہ شوق کا کارواں

کارواں جب چلا زلزلے آ گئے
اور حیرت میں نبضِ جہاں رُک گئی
آخرش اہلِ ایثار کے سامنے
دیوِ جبر و ستم کی جبیں جھک گئی

عارضِ آرزو پر نکھار آ گیا
زندگی حُسن کی مانگ بھرنے لگی
ہر تمنائے دِل عہدِ جمہور میں
گیت گانے لگی رقص کرنے لگی

رنگ بھرنے کو بھارت کی تصویر میں
ہم نے تو اپنا خونِ جگر دے دیا
دورِ جمہور! اب یہ ترے ہاتھ ہے
آج فن کا اسے اک نمونہ بنا

وادیٔ کشمیر

مری دُنیا میں شامل وادیٔ کشمیر ہے ساقی
جہاں کی دیدہ زیبی دل کش و دل گیر ہے ساقی
جمالِ حُسن کی گنگا اسی خطّے میں بہتی ہے
تبھی تو اِسکو دُنیا رشکِ فردوس کہتی ہے
وہ نظّارے کہ رقصاں ہر طرف اک نُور کا عالم
وہ ضَو پوشی کہ ہر ذرّے پہ کوہِ طُور کا عالم
جدھر دیکھو فروغِ کیف و رنگ و نُور ہے ساقی
یہ مے خانہ شرابِ حُسن سے معمُور ہے ساقی

یہاں پانی میں تاثیرِ شرابِ ارغوانی ہے
یہاں کی خاک اکسیرِ حیاتِ جاودانی ہے
بسا رہتا ہے آنکھوں میں وہ ڈل کا پُرسکوں منظر
مثال اِسکی نہیں ملتی کہیں بھی رُوئے عالم پر
ہزاروں مشعلیں ہیں یا چناروں کی قطاریں ہیں
چراغاں ہے کہ ہر سُو زعفراں کی کشت زاریں ہیں

بنی آدم کی بستی، دیوتاؤں کا بسیرا بھی
یہ شِو استھان ہے اللہ کے بندوں کا ڈیرا بھی
کسی کی راہ میں کوئی یہاں کانٹے نہیں بوتا!
کبھی دَیر و حرم کا اِس جگہ جھگڑا نہیں ہوتا
یہی مسکن ہے کلہن سے امر تاریخ دانوں کا
مرقع ہے یہ للتا کی سنہری داستانوں کا
یہیں للّی نے اپنے روح پرور زمزمے گائے
بہرِ نغمہ شرابِ معرفت کے جام چھلکائے
یہی وہ دیش ہے رنگیں نوا شیریں زبانوں کا
غنیؔ۔ مہجورؔ۔ ریشؔ سے خوش خیال و خوش بیانوں کا
یہاں نازک تصوّر چپکے چپکے گھوم جاتا ہے
دلِ شاعر سرورِ سرخوشی میں جھوم جاتا ہے

مگر کچھ بدنگاہیں پڑ رہی ہیں اِس کے دامن پہ
کوئی برقِ بلا بن کر نہ ٹوٹے اِس نشیمن پہ
مجھے ڈر ہے جو خود بھٹکے ہوئے ہیں راہِ منزل سے
کہیں گرداب میں کشتی کو لیجائیں نہ ساحل سے

جو اک منحوس سایہ پڑ رہا ہے اِن دیاروں پر
خزاں بن کر نہ چھا جائے گلستاں کی بہاروں پہ
بہشتِ رنگ و بُو کے پاسبانو جاگتے رہنا
وطن کی آبرو کے پاسبانو جاگتے رہنا

دو شعر

میری ساری زندگی لے لے مگر اس کے عوض
کوئی لوٹا دے مجھے بچپن کے لمحاتِ حسیں

اے ہمالہ! تیری دستارِ فضیلت کی قسم
تیرے فرزندوں نے مستقبل درخشاں کر دیا

آزمائش ہے

اُٹھ اے جوشِ جنُوں عزمِ جواں کی آزمائش ہے
مرے پیارے وطن ہندوستاں کی آزمائش ہے
شواجی کے مقدّس آستاں کی آزمائش ہے
گورو گوبند کی تیغ وسِناں کی آزمائش ہے
ہماری دوستی کا کون دم بھرتا ہے مُشکل میں
ہمارے مہرباں نا مہرباں کی آزمائش ہے
گِلے شکوے بُھلا کر ایک ہو جاؤ وطن والو
ہماری غیرتِ عظمت نشاں کی آزمائش ہے
نکلتے ہیں اگر شعلے دِلوں سے تو نکلنے دو
وفورِ درد ہے سوزِ نہاں کی آزمائش ہے

جگر پارے وطن کی راہ میں قرباں ہوتے ہیں
کڑا ہے اِمتحاں ممتا کا، ماں کی یہ آزمائش ہے

شہیدوں کے لہو کا مول بھی دشمن سے لینا ہے
فقط اپنی حفاظت ہی کہاں کی آزمائش ہے

گھٹا جاتا ہے شمشیروں کا دم اپنی میانوں میں
ہمارے بازوئے تاب و تواں کی آزمائش ہے

دکھائے کون جوہر دیکھئے آتش کلامی کے
وطن کے شاعرانِ خوش بیاں کی آزمائش ہے

بقدرِ ظرف سب کو بادۂ ایثار پینا ہے
کہ اِس محفل میں ہر پیر و جواں کی آزمائش ہے

وطن کی راہ میں مٹنا تو ہم پر فرض ہے ساغر
کہاں کا اِمتحاں ہے یہ کہاں کی آزمائش ہے

مُجاہدِ وطن سے

مُجاہدِ وطن اب اُٹھ کہ وقتِ انتقام ہے
تُو اپنے دِل سے لے قسم کہ چین اب حرام ہے

روِش روِش قدم قدم سُلگ رہا ہے گُلستاں
فضا ترے حسیں چمن کی ہو گئی دھُواں دھُواں
پُکارتی ہیں سُن تجھے ہمالیہ کی چوٹیاں
کہاں ہیں میرے نوجواں، کہاں ہیں میرے پاسباں

یہ کون اُٹھا حفاظتِ وطن کو فرض جان کر
کھڑا ہوا ہے گولیوں کی زد میں سینہ تان کر
یہ کون ہو گیا نثار یوں وطن کی آن پہ
یہ کس نے سر چڑھا دیا وفا کے آستان پہ

تُو آگے بڑھ کے دیکھ تو سہی یہ مرد کون تھا؟
اجل کا رُخ بھی جس کے سامنے ہے زرد کون تھا؟
حیات بھی ہے جس کی نقشِ پا کی گرد کون تھا؟
یہ وادیٔ غمِ وطن کا رہ نورد کون تھا؟

وفا کی راہ میں جلا کے شمع اپنے خُون کی
شہیدِ قوم کر گیا عطا وطن کو روشنی
چمن چمن بھڑک اُٹھی ہے آگ انتقام کی
بھبھوکا پھُول پھُول ہے شرارہ ہے کلی کلی

چلو اے ساتھیو کہ ہم بھی اپنا حق ادا کریں
کفن سروں پہ باندھ لیں، ہتھیلیوں پہ سر دھریں
اَجل تو ایک کھیل ہے اَجل سے کس لئے ڈریں
وطن کے واسطے جیئے وطن کے واسطے مریں

مُجاہدِ وطن اب اُٹھ کہ وقتِ انتقام ہے
تُو اپنے دِل سے لے قسم کہ چین اب حرام ہے

ماتمِ نہرو

پگھلو پربت راج کی برفو جھرنو نیر بہاؤ تم
چیخ چیخ کر گنگا جمنا ساگر میں مل جاؤ تم
بھارت کا سرتاج جواہر آج ابھاگی کھو بیٹھے
ڈھونڈ لاے ساگر کی لہرو اب طوفان اٹھاؤ تم

باپو کی آنکھوں کا تارا پریت نگر کا شہزادہ
موتی کا انمول جواہر کدھر گیا سمجھاؤ تم
کہاں گیا اِس یگ کا نیتا کچھ تو ہمیں بتاؤ تم
نیل گگن کے راج دلارو اُسے ڈھونڈ کر لاؤ تم

کہاں گئی اُس پھول کی خوشبو جس سے دیس معطر تھا
بھارت کے سر پہ تھا جو رحمت کا سایہ کہاں گیا؟
حیف کہ سب کے دیدۂ دل کا دامن خالی ہے
کہاں گیا انمول محبت کا سرمایہ کہاں گیا؟

صُبح کی سُرخی سمٹ گئی اور شام کے سائے پھیل گئے
امن کا سُورج ڈوب گیا لو رین اندھیری چھائی ہے
اخبر کی آنکھوں سے آنسو تارے بن کر نکلے ہیں
ہر سو ایک قیامت برپا میرے رام دُہائی ہے

شیشے ہیں بے رنگ سے یارو ساغر غم میں ڈوبے ہیں
کہاں ہے رند و ساقی محفل کہاں ہے جانِ میخانہ؟
جُھکی جُھکی ہیں نظریں سب کی رُکی رُکی ہیں سانسیں کیوں؟
تو ہی بتا اے شمع کہاں ہے آزادی کا پروانہ؟

آہوں کی مسموم ہوا نے پتّہ پتّہ جُھلس دیا
شاخ شاخ کے ہرے بھرے لچکیلے بازُو ٹوٹ گئے
شبنم کے قطرے ہیں جیسے آج دہکتے انگارے
کلی کلی کی آنکھوں میں اشکوں کے چھالے پُھوٹ گئے

تیز ہوئی ایاّم کی گردش نیند ہوئی دل کی دھڑکن
آزادی کی مانگ اُڑی ماتھے کا جھومر ٹوٹ گیا
مانوتا نے آج اچانک ہچکی لی دم توڑ دیا
گوکھ جلی بھارت ماتا کی اور مُقدّر پھوٹ گیا

فصلِ گُل کا پیغمبر تو آج اچانک رُوٹھ گیا
پت جھڑ کی یلغار سے گلشن کو اب کون بچائے گا
کس کے خُون کی سیرابی سے پھوٹیں گے اب سُرخ گلاب
کس مالی کی ہستی پر اب صحنِ چمن اِترائے گا

بنگلہ دیش میں

بنگلہ دیش میں ظلم و ستم کا اُٹھا ہے اِک طوفان
پُرزہ پُرزہ ہوئے ہیں اپنے گیتا اور قرآن
پاکِستان کے ہی ہیں شائد دستور و ایمان
روتی ہے حسّاس طبیعت خطا ہوئے اوسان
جانے کیوں خاموش ہے ابتک دُنیا کا اِنسان

اِک کندھے پہ بوجھ غموں کا اک پہ ڈال صلیب
صُورِ اسرافیل پھونکتا بڑھتا ہے شیخ مُجیب
امر رہے گی ناز کرے گی مشرق کی تہذیب
لہرا کے جمہور کا پرچم رکھی ہے دیش کی شان
جانے کیوں خاموش ہے ابتک دُنیا کا اِنسان

دھوآں دھوآں آکاش اندھیرا چھایا چاروں اور
کانپ رہی ہے دھرتی سُن کر فریادوں کا شور
تڑپ رہی ہیں رُوحِ نذرل اور رُوحِ ٹیگور
بستی بستی ہُو کا عالم گلی گلی سُنسان !
جانے کیوں خاموش ہے اب تک دُنیا کا انسان

آنکھ میں آنسو لب پر آہیں چھلنی سینہ سینہ
بنگلہ دیش میں جل سے سستا ہوا ہے خُون پسینہ
کتنا ہیبت ناک ہے منظر کیا مرنا کیا جینا
کھڑی ہے جنتا آگ کی زد میں ہونے کو قربان
جانے کیوں خاموش ہے اب تک دُنیا کا انسان

کون اس خُونی کھیل کے پیچھے بیٹھا تار ہلائے
کس ابلیس کی پالیسی جلّادوں کو اُکسائے
کس عفریت نے بھائیوں کے سر بھائیوں سے کٹوائے
ذرّہ ذرّہ بنگلہ دیش کا ہوا ہے لُہولہان
جانے کیوں خاموش ہے اب تک دُنیا کا انسان

ایک آواز

(بنگلہ دیش کے وجود میں آنے پر)

خُدا شاہد کہ گوشِ دل سے غیبی ساز سُنتا ہوں
فضا میں جگمگاتی پھر وہی آواز سُنتا ہوں
سراپا نغمگی کہیئے محبّت کی زُباں کہیئے
یہ وہ آواز ہے جسکو نوائے دلستاں کہیئے
تسلّی بن کے جب پڑتی ہے مزدوروں کے کانوں میں
خُوشی کے شادیانے گونجتے ہیں کارخانوں میں
بلا کا جوش بھرتی ہے کبھی اپنے کسانوں میں
کبھی ہے تذکرہ اِسکا وطن کے پاسبانوں میں
وطن کے اعلےٰ و ادنیٰ سے یکساں پیار کرتی ہے
پلاتی ہے مئے حُبِّ وطن سرشار کرتی ہے
یہ اپنے لاڈلوں کو برسرِ پیکار کرتی ہے
یہ وہ آواز ہے جو قوم کو بیدار کرتی ہے

زبانِ خلق اِس کو غیب کی ہمراز کہتی ہے
کبھی تو اِس کو دُنیا دیش کی آواز کہتی ہے
کبھی کہ بُلبُل کتھا یہ "بنگ بندھو" کی سُناتی ہے
کبھی یہ لوریاں دے کر یتیموں کو سُلاتی ہے
کبھی ہمسائے کو جابر سے آزادی دلاتی ہے
کبھی "جے بانگلا" کے دہر میں نعرے لگاتی ہے
اسے امن و اخوت کی سُریلی ایک نَے کہیئے
اسی آواز کو در اصل بھارت کی وِجے کہیئے
کبھی یہ گونجتی ہے رہگزاروں میں اذاں بنکر
چمکتی ہے کبھی شمشیر کی تیغ و سِناں بنکر
یہی آوازہ ہی تو وقت کا فرمان ہے یارو
جہاں شکتی بھوانی اندرا کا یہ اعلان ہے یارو
سُنا ہے امن کے دُشمن نئی سازش رچائیں گے
بنامِ مذہب و ملّت نئے فتنے جگائیں گے
ندامت کا پسینہ پونچھ لیں پرخاش سے پہلے
ذرا کچھ سوچ لیں اب پھر شکستِ فاش سے پہلے

افشاں

اِسی آواز کے اعلان پر اِک ساتھ اُٹھیں گے
اِس اِک آواز کے پیچھے کروڑوں ہاتھ اُٹھیں گے
اِسے امن و اخوّت کی سُریلی ایک لَے کہیے
اِسی آواز کو در اصل بھارت کی نَبَج کہیے

دو شعر

بجلیاں بن کر گرے اندیشۂ تاریک پر
فکرِ تابندہ سے راہوں کو درخشاں کر دیا

مشعلِ تعمیرِ نو کی لَو ہوئی اتنی بلند
ذرّے ذرّے کو حریفِ ماہِ تاباں کر دیا

ماں

اُلجھے ہوئے گیسو ہیں کہ کانٹوں کا کوئی جال
صُورت سے نمایاں ہیں ستم ہائے مہ و سال
چہرے کی یہ رنگت ہے کہ ہلدی کی طرح زرد
اک عمر کا پالا ہوا سینے میں لئے درد
چلتے ہوئے ہر گام پہ دم پھول رہا ہے
رُک رُک کے قدم اُٹھتے ہیں سر جھول رہا ہے
بوسیدہ سی پھلکاری سے سر ڈھانپ رکھا ہے
آنچل کے ہر اک تار میں پیوند لگا ہے
کچھ ساتھ اُڑے جاتے ہیں سوکھے ہوئے پتّے
جیسے کسی میلے میں ٹھُمکتے ہوئے بچّے

بے بسی پہ مداری کی مدُھر تان سے مسحُور
امّی کی نگاہوں سے نکل جائیں بہت دُور

مایُوس نگاہوں سے ٹپکتی ہے اُداسی
طاری ہے خدوخال پہ آشفتہ حواسی
ویران سی آنکھوں میں لرزتے ہوئے آنسُو
آواز کی لرزش میں ہے فریاد کا پہلُو

صورت سے نمایاں ہے کہ لاچار بہُت ہے
شائد یہ غمِ دہر سے بے زار بہُت ہے
کب تک تنِ لاغر پہ یہ بے داد رہے گی؟
"دُنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہے گی؟"

جی میں ہے کہ دامانِ عقیدت میں چھُپا لوں
اِس شمع کو آلام کے جھونکوں سے بچا لوں
تعظیم یہ کہتی ہے سرِ آنکھوں پہ بٹھا لوں
"ماں" کہہ کے پکُاروں اِسے اور اِس کی دُعا لوں

میری دُنیا

مری دُنیا وہ دُنیا ہے جسے جنّت نشاں کہیئے
یہ ایسی سرزمیں ہے جس کو رشکِ آسماں کہیئے
یہ دُنیا لیلئ فن کے پرستاروں کی دُنیا ہے
نگارِ زندگی کے ناز برداروں کی دُنیا ہے
یہاں شمعِ لب و عارض کے پروانے بھی رہتے ہیں
صلیب و دار کی منزل کے دیوانے بھی رہتے ہیں
مری دُنیا کے شیشہ گر حریفِ کوہکن بھی ہیں
یہ دیوانے گریباں چاک مثلِ گُل پیرہن بھی ہیں

اِسی ایواں میں آویزاں ہیں رنگا رنگ تصویریں
کہیں غالبؔ کہیں مومنؔ کہیں حالیؔ کی تحریریں
یہیں چکبستؔ محوِ جلوۂ صبحِ وطن دیکھا
یہیں اقبالؔ مشاطہ گرِ زلفِ سخن دیکھا

مغنیِ پاک گیتا کا نظمِ سوہانوی بھی ہے!
زبانِ داغ میں کیف و سرودِ سرمدی بھی ہے
گُل افشاں ہے فضا محروم کی رنگین بیانی سے
یہیں گُٹتی ہے دولت دامنِ "گنجِ معانی" سے
بہاتے ہیں یہاں جوش و وفا چشمے فصاحت کے
مرقع ہیں تخیّل جن کے رنگینی و ندرت کے
کٹی ہے عمر ساری کشتِ فن کی آبیاری میں
نہیں کوئی حریف ان کا زباں کی حُسن کاری میں
اسی محفل کی زینت شائقِ رنگین نوا بھی ہیں
یکے از رہروانِ شوق بھی ہیں رہنما بھی ہیں

یہیں وہ شہریارِ فکر و فن بیدار رہتا ہے
جسے ہر آدمی اک بندۂ درویش کہتا ہے
خیال آتے ہیں جس کے ذہن میں الہام کی صورت
عطا کرتا ہے جو الفاظ کو اصنام کی صورت
اسی محفل میں شامل صابر صاحب نظر بھی ہے
یہ دیوانہ رموزِ زندگی سے باخبر بھی ہے

تپاں رکھتا ہے اِسکو دردِ دِل بھی درد دوراں بھی
یہ اک سنجیدہ شاعر بھی ہے اک شائستہ اِنساں بھی

یہیں علاّمہ انور رات دن دھومیں مچاتے ہیں
ترانے کرشن موہن کے یہیں جادو جگاتے ہیں!

چراغِ فکرِ یزدانی یہیں انوار افشاں ہیں!
یہیں وہ طُرفہ ضوقندیلِ شادانی فروزاں ہیں

غزلخواں ہیں روش تو ہیں یہیں ساغر نظامی بھی
کبھی ہوتا ہے ذکرِ حضرتِ نوشتر گرامی بھی

یہیں مصروف ہے شعلہ بھی اپنی ضوفشانی مَیں
لگا سکتا ہے جو سوزِ سخن سے آگ پانی میں

یہیں نغمہ سرا ہے عرش جس کی خوشنوائی نے
دکھائے گلستاں کی طُوطی و قُمری کو آئینے

یہیں آزاد ذرّوں کو ستاروں سے ملاتا ہے
یہیں بسمل سخن کے ساز پر نغمے سُناتا ہے

مری محفل میں طُرفہ ساحرانہ دِلکشی بھی ہے
یہاں کی داستانِ شوق کچھ حسرت بھری بھی ہے

ع ۱ یہاں ساحرانہ سے میری مُراد ۔ حضرات ساحر کپور تھلوی۔ ساحر ہوشیارپوری ۔ ساحر لدھیانوی اور ساحر سیالکوٹی صاحبان سے ہے ۔

سحرؔ کا نام آتے ہی بہاریں مُسکراتی ہیں
غزل کے آسماں پر سُرخیاں سی دَوڑ جاتی ہیں
یہیں رنگیں فضاؤں میں ہُماؔ پرواز کرتا ہے
درِ خودآگہی چشمِ بشر پر باز کرتا ہے!
اِسی محفل میں فرحتؔ زمزمہ پرداز ہوتا ہے!
یہیں عشرتؔ کا بربطِ بھی ترانہ ساز ہوتا ہے

یہیں درویش صورت حضرتِ اخترؔ بھی رہتے ہیں
شہِ بے تاج اقلیمِ رُباعی جن کہتے ہیں
یہیں مُعجز نما ہے شادؔ سے خانوں کا شہزادہ
جہانِ شعر و فن جسکی فسوں کاری کا دل دادہ
یہیں چھیڑا ہوا ہے چاندؔ نے سازِ سخن اپنا
دکھایا ہے یہیں فکرِ رشیؔ نے بانکپن اپنا
ضیائے شعر سے جب بارشِ انوار ہوتی ہے
کلامِ زارؔ سے محفل تجلّی زار ہوتی ہے
یہیں تھامے ہوئے آزادؔ ہے سازِ غزل اپنا
جلا رکھا ہے روشنؔ نے یہیں رنگیں کنول اپنا

شراب و شعر کے ساغر لنڈھاتا ہے یہیں کوثر
بھری محفل میں سرمستی لٹاتا ہے یہیں کوثر

شریکِ بزم ہے نازاں بھی نازِ انجمن ہو کر
یہیں کھلتا ہے اس شیشہ کا جوہر بانکپن ہو کر

یہیں لکھتا ہے پریم اپنی کتابِ دل کی تحریریں
وہ جذبات و حقائق کے تصادم کی ہیں تصویریں

یہیں ونتا مری دنیا کو آئینہ دکھاتا ہے
عجب نیرنگیٔ ماحول کے نقشے بناتا ہے

ترانے سرش کے جب گونجتے ہیں صحنِ محفل میں
مچلتی ہیں حسیں جذبات کی رعنائیاں دل میں

یہیں تنویر اپنے خون سے مشعل جلاتا ہے
حیاتِ تیرہ ساماں کی فضائیں جگمگاتا ہے

یہیں عارف گلستانِ ادب میں گنگناتا ہے
مری محفل کا ایواں نغمگی سے گونج جاتا ہے

کنور چوہان بھی یاں زمزمہ پرداز ہوتا ہے
یہاں فکرِ خمار اکثر فلک پرواز ہوتا ہے

شرابی کی طرح لغزش بہ لغزش جب مہتیش آیا
تو پیمانہ بکف بادہ فروشی کو نہ پیش آیا
جگر پارے جگر جالندھری جب پیش کرتا ہے
کلیجے میں کسک اُٹھتی ہے اور دل آہ بھرتا ہے
بڑھی تشنہ لبی جب بھی تو رحمت کا سحاب آیا
مہک اُٹھا گلستاں غنچے غنچے پر شباب آیا

یہ صہبائے طرب شعر و سخن کے بادہ خانے کی
سکھاتی ہے ادا رنج و الم میں مُسکرانے کی
جو کہتے ہیں علاجِ گردشِ دوراں نہیں ہوتا
غمِ ماحول کا مارا کبھی شاداں نہیں ہوتا
اُنہیں کہہ دو کہ اِس دُنیائے رنگ و نور میں آئیں
شراب و شعر و نغمہ کے چھلکتے جام پی جائیں
یہاں آکر دلِ مضطر کی بیزاری نہیں رہتی
طبیعت پر کسی غم کی گرانباری نہیں رہتی

خواب

ہمنشیں پُوچھتے ہیں کہ یوں رات دِن
کس لئے کھویا کھویا سا رہتا ہوں میَں
کیا کہوں میرے سینے میں کیا درد ہے
جس کی ٹیسیں شب و روز سہتا ہوں مَیں

مَیں سُلگتا ہوں کس فکر کی آنچ سے
کیا خلش ہے کلیجے میں اٹکی ہوئی
کس بیابانِ تشویش میں سُو بہ سُو
پھر رہی ہے مری سوچ بھٹکی ہوئی

فکر تاریک ہے ذہن ماؤف ہے
قلب افسُردہ ہے رُوح بے تاب ہے
میری آشفتگی کا سبب دوستو!
ذہن پر نقش اک سایۂ خواب ہے

میں کئی روز سے ایک ہی خواب کو
دیکھتے دیکھتے کچھ پریشان ہوں
مجھ سے کہتی ہے تعبیرِ خوابِ گراں
جیسے میں بھی کوئی دن کا مہمان ہوں

دیکھتا ہوں کہ اک جنتِ رنگ و بو
اک طلسمی جزیرے میں آباد ہے
نغمہ و نور کے اِس حسیں دیس میں
ہر نفس مست ہے ہر نظر شاد ہے

جھومتی ساتھ لاتی ہے بادِ صبا
کیف سامانیاں رنگ و رعنائیاں
حسنِ فطرت کو کھیلتے ہوئے دیکھ کر
ذرّے لیتے ہیں بھرپور انگڑائیاں

لہلہاتی ہوئی دُور تک کھیتیاں
فرشِ محنت پہ دہقاں کی دھڑکنیں
جیسے کمخواب کے بسترِ سبز پہ
جا بجا پڑ رہی ہوں کئی سلوٹیں

گُدگُداتی ہے کلیوں کو جب پیار سے
مست، مخمُور، چنچل نسیم سحر
رقص کرتی ہے دوشیزۂ زندگی
شوخ کرنوں کے بربط کی جھنکار پہ

یہ جزیرہ سمندر کی آغوش میں
حُسنِ فطرت کی رنگین تصویر ہے
جس کی تزئین میں قرنہا قرن سے
نسلِ آدم بھی مصرُوفِ تعمیر ہے

مَیں نے دیکھا کہ برسات کی ایک شب
سو رہے تھے سبھی بے خبر بے خطر
جانے کِس سمت سے آ کے اِک دیو نے
اِس جزیرے پہ ڈالی بھیانک نظر

وہ بھیانک، غضبناک، خُونی نظر
جیسے بجلی کا کوندا! لپکتا ہوا
اُس کے جبڑوں سے انسانیت کا لہُو
قطرہ قطرہ زمیں پر ٹپکتا ہوا

میں نے دیکھا کہ اُس دیو کے لب ہلے
اور یکایک کہیں پہ دھماکا ہوا
"کیا ہوا کیا ہوا" کی صدائیں اُٹھیں
ہر طرف ایک کُہرام سا مچ گیا

دیکھتے دیکھتے اک جوالا مکُھی
پھٹ کے ہر سمت لاوا اُگلنے لگا
موت کے اس اُبلتے ہوئے سیل میں
زندگی کا ہر اک نقش جلنے لگا

چار سُو تُند شعلے لپکنے لگے
دیکھتے دیکھتے سب فنا ہو گیا
نغمہ و نُور کے اس حسیں دیس میں
کس زباں سے کہوں کیا سے کیا ہو گیا

چار سُو موت کا رقص ہونے لگا
زندگانی کے سارے نشاں جل گئے
دل نشیں زمزمے سسکیاں بن گئے
رس بھرے گیت فریاد میں ڈھل گئے

پھر یکایک دھوئیں کا تلاطم اُٹھا
چاند تاروں سے ان کی ضیا چھن گئی
روشنی ظلمتوں میں فنا ہو گئی
زندگی لُٹ گئی ہر ادا چھن گئی

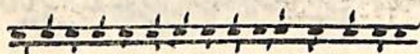
دیوِ تخریب کا رقصِ غارت گری
دیکھ کر چشمِ تہذیب پتھرا گئی
یہ قیامت کی غارتگری الاماں
روحِ آدم کے لب پر فغاں آگئی

"کیا خبر تھی کہ فانوسِ تہذیب یوں
اُڑتے اُڑتے سرِ عرش جل جائے گا
ایٹمی دور کا یہ خرد باختہ
آدمی آدمی کو نگل جائے گا

اُف یہ حشر آفریں منظرِ جاں گسل
کتنا پُر ہول و غارت گرِ ہوش ہے
ایسے عالم میں اب کس کو آواز دوں
بُت کدے چُپ ہیں کعبہ بھی خاموش ہے

کوئی اِنسانیت کا پرستار ہے؟
ایسے عالم میں جو ہوش سے کام لے؟
امنِ عالم کی قندیل لے کر بڑھے؟
موجِ ظلمت کی یلغار کو تھام لے؟"

میری آشفتگی کا سبب دوستو!
دُشمنِ ہوش و تمکیں یہی خواب ہے
فکر تاریک ہے ذہن ماؤف ہے
قلب افسُردہ ہے رُوح بے تاب ہے



شکستِ خواب

قدم رکھا تھا جب میں نے بہشتِ نوجوانی میں
بہر عنواں یہ دُنیا حسیں معلُوم ہوتی تھی
وہ عالم تھا کہ بے غازہ و سُرخی بھی مری صُورت
گُلِ تازہ کی صُورت دِل نشیں معلُوم ہوتی تھی

بڑی مُشکل سے قابُو میں کیا بے تاب جذبوں کو
بہت جُھولا جھلایا نوجوانی کی اُمنگوں کو
خیالوں ہی خیالوں میں سُنہرے خواب بن بن کر
سُلایا دیر تک دِل کی حسیں کمسن ترنگوں کو

مُجھے دوشیزگی دی چاند تاروں کی ضیاؤں نے
عنایت کی مجھے پاکیزگی گنگا کے دھاروں نے
ترنّم مُجھ کو بخشا گُنگناتی آبشاروں نے
مُجھے جینا سکھایا ہے خزاں رنگیں بہاروں نے

تبسم کی ادا سیکھی، سنواری نرم کلیوں سے
خیالوں کو ملی رفعت فلک رس کوہساروں سے
عطا کیں شوخیاں مجھ کو سحر کی شوخ کرنوں نے
محبت ہو گئی مجھ کو مہکتے خوابزاروں سے

مرا وہ خوبصورت خواب مجھ کو یاد ہے اب تک
کہ انجانی سی صورت کا تراشا تھا صنم میں نے
مرے احساس نے اُس بُت میں رُوحِ زندگی بھر دی
بڑے اخلاص سے پھر اُس کے چُومے تھے قدم میں نے

حوادث کا اُٹھا طوفاں اچانک خوابزاروں میں
اُڑا کر ساتھ مُجھ کو ہوش کے عالم میں لے آیا
حقائق کا چمکتا شعلۂ برقِ بے اماں بن کر
مرے جذبات کے مندر کے بام و در پہ لہرایا

نہ وہ میں ہوں نہ میری آرزوؤں کی حسیں جنت
جسے آباد میں نے کر لیا تھا اپنے خوابوں میں
نگاہوں میں تھی جس کے وادئ گلپوش کی منزل
بھٹکتا رہ گیا وہ کارواں تپتے سرابوں میں

بہار آگئی ہے

بہار آگئی ہے بہار آگئی ہے

اُٹھو میکشو جام و مینا سنبھالو
چھلکتے ہوئے ساغروں کو اُچھالو
گھڑی دو گھڑی پیار کے گیت گا لو
یہ وقتِ طربّ ہے گھٹا چھا گئی ہے
بہار آگئی ہے بہار آگئی ہے

یہ برسات کے سُرمئی ابر پارے
اُڑے آرہے ہیں ہوا کے سہارے
یہ رنگیں فضائیں یہ دل کش نظارے
طبیعت پہ مستی سی لہرا گئی ہے
بہار آگئی ہے بہار آگئی ہے

یہ ماحولِ رنگیں یہ پُر کیف موسم
برستی پھُواروں نے چھیڑا ہے سرگم
جدھر دیکھیے رقص و مستی کا عالم
نشیلی ہوا سب کو بہکا گئی ہے
بہار آ گئی ہے بہار آ گئی ہے

فسوں ریز فضا میں طرب زا سویرے
دل و ذہن میں سرخوشی کے بسیرے
محبت زدوں کو جنُوں کیوں نہ گھیرے
ہر اک شے پہ محبوبیت چھا گئی ہے
بہار آ گئی ہے بہار آ گئی ہے

امن کا تارا

(وزیرِ اعظم ہند شری لال بہادر شاستری کی وفات
کی خبر سن کر)

نیل گگن کی چھتری سے اک اور ستارا ٹوٹ گیا
مانوتا کے ہاتھوں سے دھیرج کا دامن چھوٹ گیا
وہ ذرّہ اس دھرتی کا جو تارا بن کر چمکا تھا
بھارت کو پیغامِ سحر دیتے ہی خود روپوش ہوا
وہ تارا اس شان سے نکلا گجر بجے گھڑیال بجے
مندر، مسجد، ہوا اجالا گرجا گھر کے دوار کھلے
جس کی شوخ سنہری کرنیں انگ انگ تھرکاتی تھیں
نئی اُمنگیں نئے حوصلے رُوحوں میں بھر جاتی تھیں
وہ کرنیں جب رقصاں رقصاں صحنِ چمن میں آتی تھیں
پھولوں اور کلیوں کے دامن امرت سے بھر جاتی تھیں
اُن کرنوں کے سر ربط پر وہ صبح کے ننھے پھوٹے تھے
جن کی لے سے صدیوں کی غفلت کے سپنے ٹوٹے تھے

وہ رخشندہ تارا جو منزل کی راہ دکھاتا تھا
دیکھ کے جس کی چمک دمک کو چند ابھی شرماتا تھا
جس تارے نے روپ نکھارا بڑھ کر نئے سویروں کا
جس کی ضو سے چاک ہوا سینہ پر ہول اندھیروں کا
جس کے نور نے توڑ دیئے منہ ظلمت کے طوفانوں کے
جس کی آنچ نے پگھلا ڈالے دل مغرور چٹانوں کے
رن بھومی میں ویر سورمے جسے سلامی دیتے تھے
ہند کا پرچم، عرشِ معظم جس کی بلائیں لیتے تھے
رہبرِ اعظم، قوم و وطن کو جان سے پیارا کہاں گیا؟
لال بہادر بھارت ماں کی آنکھ کا تارا کہاں گیا؟
امن پسندوں کے سینے میں پھر اک غم کا تیر لگا
بھارت کی قسمت کا تارا تاشقند میں ڈوب گیا

دیوالی

آج دیوالی ہے سُنتے ہیں چراغاں ہوگا
محفلِ عیش و طرب زار کا ساماں ہوگا

کہیں مشعل، کہیں قندیل، کہیں شمع کا نُور
شیش محلوں کے در و بام کو نہلائے گا
نغمہ و نُور کے سائے میں چھلکے گی شراب
ذہنِ عالم پہ عجب نشہ سا چھا جائے گا

آج دھرتی پہ وہ پُر نور نظارے ہونگے
ذرّے ذرّے میں تپاں لاکھ شرارے ہونگے
جب ذرا شام ڈھلے چھوٹے گی آتش بازی
دیکھ کر عرش پہ مبہوت ستارے ہونگے

ہر فلک بوس عمارت کے حسیں آنگن میں
رات بھر عیش و مسرّت کی پری ناچے گی
لکشمی آئے گی دیوتاؤں کا کارواں لئے
اور زردار کے ہونٹوں پہ ہنسی ناچے گی

ہم سیہ بخت غریبوں کے خرابوں میں مگر
نہ چراغاں نہ کوئی عیش کا ساماں ہوگا
وہی پُر ہول گھٹا ٹوپ اندھیروں کا ہجوم
حسبِ معمول در و بام پہ رقصاں ہوگا

دیکھ کر درد کو دہلیز پہ پہرا دیتے
لکشمی دُور سے کترا کے گُذر جائے گی
یہ اُجالوں میں نہائی ہوئی تقریبِ جمیل
رُوح کو اور بھی کجلا کے گُذر جائے گی

دیکھ کر اپنے پڑوسی کے درخشاں در و بام
شعلۂ زخمِ جگر اور فروزاں ہوگا
خونِ دل آئے گا پلکوں پہ ستارے بن کر
ہم غریبوں کا یہی جشنِ چراغاں ہوگا

شکستِ شب

آئی ہمارے دیش پہ ایسی بھی اک گھڑی
کجلا گئی تھی شمعِ تمنّا کی روشنی
پُرہول تیرگی لئے آئی مہیب شب
ارضِ وطن پہ چار سُو چھائی عجیب شب
زہرِ تعصّبات کی آندھی تھی تُند و تیز
بُغض و عناد و شر کے بگوُلے تھے شعلہ ریز
ایسی ہوئیں چمن کی فضائیں دھواں دھواں
اس درجہ حشر خیز تھا منظر کہ الاماں!
پھولوں کا رنگ اُڑ گیا خوف و ہراس سے
سہمے ہوئے طیور تھے بوٹے اُداس تھے
کچھ بے اصول خود غرض کچھ فرض ناشناس
شامل تھے رقصِ اہرمن میں ہو کے بے لباس

کچھ سادہ دِل پھنسے تھے فریبوں کے جال میں
کچھ آ گئے تھے راہو و کیتو کی چال میں
کچھ بے ضمیر لوگ تھے غیروں کے ہمنوا
مارے ہوئے تھے حرص کے کچھ "راہبر نما"
سمجھے تھے جن کو دولت و شہرت سے بے نیاز
چھیڑا اُنہی نیتاؤں نے "کرسی کا ساز
جن کو بزرگ جان کے کرتے تھے احترام
مطلب برار نکلے وہ "اپنے برائے نام"
امن و سکونِ زیست کا جن کو خیال تھا
اُن خادمانِ قوم کا جینا مُحال تھا
پیاسے تھے خون کے دشمنِ اخلاق و شرپسند
دانشوروں کے حوصلے لیکن رہے بلند
تھی سوزِ غم سے زندگی جلتی ہوئی چتا
ہونے لگی خلوص کی اگنی پریکشا
تھے راستی کے پاسباں بانکے بہاری جی
کوئی جنتی مہابلی، یوگی، تپسوی
تھے گائتری کے جاپ میں پوری طرح مگن
پوجا کے ساتھ ہی کرنے لگے ہون

صحنِ چمن میں آ گئے مخلص وفا شعار
آدرش وادی نوجواں بھارت کے جاں نثار
آ کر ہزاروں پیکرِ کردار تن گئے
تیرہ شبی کے سامنے دیوار بن گئے
طوفانِ گرد و باد کا جادو نہ چل سکا
شعلہ رہا بلند تدبر کی جوت کا
جور و جفا کی ذہنیت کا توڑ کر غرور
صدق و صفا نے آگ کا دریا کیا عبور
آتشکدے میں پہلی آہوتی جونہی پڑی
بھوتوں کی صف میں ہر طرف بھگدڑ سی مچ گئی
بانگِ سحر نے پردۂ ظلمت کو چیر کر
پُر نور آفتاب کے آنے کی دی خبر
بادل تموں کے مطلعِ بھارت سے چھٹ گئے
ریلے ستم کے مونہہ کی کھا کر پلٹ گئے
فکر و عمل نے زاویہ بدلا نگاہ کا
اک ایک کانٹا چُن دیا منزل کی راہ کا
اٹل شکتی ہے شکتی دُرگا کے روپ میں
حکمت بردے کار ہے اندرا کے روپ میں

اُتری زمیں پہ تازگی لیکر کرن کرن
پھولوں کی مُسکراہٹیں کلیوں کا بانکپن

پھوٹی ہیں نرم کونپلیں دھرتی کی کوکھ سے
سرسوں سجائے بیٹھی ہے سونے کے حاشیے

سوچیں تو سب کی فکر کا مرکز ہے زندگی
مذہب انیک ہیں مگر ہم ایک ہیں سبھی

عزمِ صمیم ساتھ ہے پہنچیں کے بامُراد
ہے رہروانِ شوق کی منزل سماج واد"

لازم ہے مل کے جانبِ منزل بڑھے چلو
اے پاسبانِ ہند سدا جاگتے رہو

اے سرزمینِ ملسیاں!

(پدم شری حضرت جوشؔ ملسیانی صاحب کی وفات پر)

اے جانشینِ داغ کے گہوارۂ عظمت نشاں
میری نظر میں تیری وہ گلیاں ہیں رشکِ کہکشاں
پھر گھوم کر جن میں ہوا وہ جوہرِ قابل جواں
وہ مخزنِ علم و ادب وہ خالقِ لفظ و بیاں
اے سرزمینِ ملسیاں۔ اے سرزمینِ ملسیاں

تیرے اُفق ہی سے اُٹھا وہ آفتابِ شاعری
نازاں ہے جس کی ذات پر حُسن و شبابِ شاعری
وہ جس کا ہر تارِ نفس تارِ ربابِ شاعری
وہ معتبر جس کا سخن وہ مستند جسکی زباں
اے سرزمینِ ملسیاں۔ اے سرزمینِ ملسیاں

اِس درجہ رنگینی نہ تھی اِس درجہ رعنائی نہ تھی
یہ سادگی، یہ طُرفگی، یہ مُعجز آرائی نہ تھی
مشاطگیٔ جوشؔ سے پہلے یہ زیبائی نہ تھی
منت کشِ شانہ نہیں اب گیسوئے اُردو زُباں
اے سرزمینِ ملسیاں، اے سرزمینِ ملسیاں

منسُوب اُس ہستی سے ہے تیرا مُبارک آستاں
اہلِ سخن جس کو کہیں اپنا امیر کارواں
ہر ذرّہ تیری خاک کا سجدہ گہۂ اہلِ زباں
اے کاشیٔ صاحب دلاں! اے کعبۂ دانشوراں
اے سرزمینِ ملسیاں۔ اے سرزمینِ ملسیاں

مجھ سے وعدہ کرو

مجھ سے وعدہ کرو شب کی تاریکیو!
اے سمندر کی خاموش گہرائیو!
اے اُڑتی ہوئی سُرمئی بدلیو!
اے پہاڑوں کو ڈھانپے ہوئے دھندلکو!
اے کنواری محبت کی تنہائیو!
مجھ سے وعدہ کرو اے مرے ساتھیو!
تم دلوں میں رکھو گے مرے راز کو

میں محبت کا اک نے اسا پیغامبر
دل شکستہ بھٹکتا رہا عمر بھر
میں نے پرکھا ہے اس دَور کا ہر بشر
یوں تو کہنے کو یہ جی رہا ہے مگر
اس طرح بے خبر جس طرح جانور

افشاں

ایسے لگتا ہے کہ نسلِ آدم نہیں
زندگی کا جیسے نام کو غم نہیں

یہ نظامِ کہن - یہ مکان و مکیں
شوخ رنگیں ادا یہ حسیں مہ جبیں
چاند تارے فلک یہ کشادہ زمیں
جس جگہ پیار کی قدر و قیمت نہیں
جی میں ہے پھونک دوں سب مناظر حسیں
ایسی دنیا کو جلتا ہوا چھوڑ دوں
اور خود زیست کے جام کو توڑ دوں

ہاں کہو ہاں کہو شب کی تاریکیو!
اے سمندر کی خاموش گہرائیو!
اے اُمڈتی ہوئی سُرمئی بدلیو!
اے پہاڑوں کو ڈھانپے ہوئے ٹھنڈکو!
اے کنواری محبت کی تنہائیو!
مجھ سے وعدہ کرو اے مرے ساتھیو!
مجھ سے وعدہ کرو مجھ سے وعدہ کرو!

آہنگِ نو

خلوص و شوق کے دنیا بسا رہے ہیں ہم
زمینِ ہند کو جنّت بنا رہے ہیں ہم
نشانِ ظلمتِ کہنہ مٹا رہے ہیں ہم
نئی حیات کے نقشے بنا رہے ہیں ہم
بفیضِ ہمتِ مرداں، بفضل عزمِ جواں
عروسِ وقت کے دل میں سما رہے ہیں ہم
بلائے راہ کے کانٹوں کو اپنا گرم لہو
حریفِ لالہ و نسریں بنا رہے ہیں ہم
ریاضِ زیست کی کلیو کھِلو ہنسو چہکو
چمن میں جشنِ بہاراں منا رہے ہیں ہم
بہار اپنی چمن اپنا باغباں اپنے
نئی فضا میں نئے گیت گا رہے ہیں ہم
ہمارے حسنِ عزائم کی داد دو ساغر
ہزار غم ہیں مگر مسکرا رہے ہیں ہم

نیند

ایسا بھی کیا جُرم ہے میرا
جسکی اتنی سخت سزا ہے؟

کیا اِخلاق کا دُشمن ہوں میں؟
کیا تہذیب کا قاتل ہوں میں؟
ہمسایوں سے لڑتا ہوں یا
کرتا ہوں یاروں سے دھوکا؟
کھاتا ہوں رِشوت کا پیسہ؟
کرتا ہوں ٹیکسوں کی چوری؟
رہزن ہوں یا خونی ہوں میں؟

کس سے پوچھوں کون بتائے؟
ایسا بھی کیا جُرم ہے میرا
جسکی اتنی سخت سزا ہے؟

افشاں

صبح سے لیکر شام ڈھلے تک
محنت کی چکّی پیسی ہے
کچھ تو بھوکے پیٹ کی چنتا
کچھ اُس کے آغوش کی خاطر
خون پسینہ ایک کیا ہے
بند بند اب جسم کا جیسے
درد کے مارے ٹوٹ رہا ہے
رات کے گہرے سنّاٹے میں
سوچوں کے بستر پر لیٹا
تنہائی کی چادر تانے
اُس کا رستہ دیکھ رہا ہوں

وقت کا راہی دھیرے دھیرے
اپنی چال چلا جاتا ہے

چندا سرہانے سے اُٹھ کر
پاؤں کی جانب آپہنچا ہے
آج تو شاید تارے گنتے
ساری رات گذر جائے گی
وہ میرے بچپن کی ساتھی
سپنوں کی البیلی رانی
میرے پاس نہیں آئے گی
کیا وہ مجھ سے آج خفا ہے؟
کس سے پوچھوں کون بتائے؟

ایسا بھی کیا جرم ہے میرا
جسکی اتنی سخت سزا ہے؟

ارتھی

(ایک وطن پرست کی ارتھی کا منظر دیکھ کر)

بڑھتی جاتی ہے وہ ارتھی بڑی دھیرے دھیرے
کتنا غم خوردہ ہے ہر راہ کا ذرّہ ذرّہ
کتنا خاموش ہے ہر شاخ کا پتّہ پتّہ
اسطرح روٹھ کے گلشن سے بہاریں چلدیں
لوٹ جانے کا انہیں حکم ملا ہو جیسے

بڑھتی جاتی ہے وہ ارتھی بڑی دھیرے دھیرے
آگے پیچھے ہے پرستاروں کا اک جمِ غفیر
سب کی آنکھوں سے لرزتے ہوئے آنسو ہیں رواں
چلتی پھرتی ہوئی لاشوں کا یہ انبوہِ کثیر
یعنی انسانی سروں کا یہ اُمڈتا سیلاب
اپنے محبوب کے ماتم میں فسردہ خاطر
مست رو ندّی کی مانند بہا جاتا ہے

عام لوگوں کو تو در اصل یہ معلوم نہیں
یہ زمیں چھوڑ گیا عرشِ معظّم کا سفیر
ایسے پاکیزہ مہاں یوگی کبھی مرتے ہیں ؟
زندگی جن کی امانت ہو وطن کی ساغرؔ
مر کے وہ معرکۂ موت کو سر کرتے ہیں

نام لیتا ہے عقیدت سے زمانہ اُن کا
صدیوں دُہراتی ہے تاریخ فسانہ اُن کا



قلبِ ماہیئت

گئے رات جب جھومتے لڑکھڑاتے
مَیں کل اپنے گھر حسبِ معمول لوٹا
مری اہلیہ اور معصوم بچّہ
مرے پاؤں کی چاپ سے چونک اُٹھے
مگر مَیں نے اپنی بھٹکتی نگاہیں
نہ اِس سے ملائیں نہ اُس سے ملائیں

ہراساں ہراساں پریشاں پریشاں
بڑھا اپنے افسردہ بستر کی جانب
شکن در شکن جسم کی چادر تھی گویا
مجھے دیکھ کر تیوریاں چڑھ گئی ہوں
ابھی اپنے بستر پہ بیٹھا ہی تھا مَیں
بڑی خامشی سے مرے پاس آ کر
لپٹ کر کہا میرے لختِ جگر نے

"مرے پیارے باجی مرے اچھے باجی!
مجھے چھیڑتے ہیں محلے کے بچے
پتہ ہے کہ آوازے کستے ہیں کیسے؟
"شرابی کی اولاد" کہتے ہیں مجھکو
بتاؤ خدارا تمہیں کچھ بتاؤ
مجھے اسطرح لوگ چھیڑیں گے کب تک؟
زمانے کے طعنوں سے مجھ کو بچا لو
مرا ان فضاؤں میں دم گھٹ رہا ہے"
سنا تو ہوا مجھ کو محسوس جیسے
کسی نے ہتھوڑا مرے سر پہ مارا
مرے کان بجنے لگے سائیں سائیں
مرے ہوش و ادراک کے سب دریچے
اچانک کڑی ضرب نے کھول ڈالے

مرا ذہن تھا جو تعفن کا مسکن
وہ اب خوشبوؤں کا زیارت کدہ ہے

بٹوارہ

لَوّ اور کُشّ کے طَور دیکھ کر
سِیتّا تھر تھر کانپ رہی ہے
مریادہ پرشوتّم بھگوان
اپنے راج دُلارے لَوّ کو
اپنی آنکھ کے تارے کُشّ کو
اپنی اور کبھی سِیتّا کی
رو رو کر قسمیں دیتے ہیں

لَوّ اور کُشّ ہیں آج اچانک
ایک انوکھی بحث چھڑی ہے
لَوّ کہتا ہے اک مُدّت سے
کُل کی ریت چلی آتی ہے
جو بھی بڑا ہو بعد پتا کے
اُسکو راج ملا کرتا ہے

اُس ناطے سے راج پاٹ پر
کیول میرا ہی حق ہو گا
کُش کہتا ہے مَیں کیا کم ہوں
تیرے ساتھ ہی مَیں جنما ہوں
میں کل یُگ کا کُش ہوں پیارے
اپنا پُورا حصّہ لوں گا
یہ میرا اعلان ہے سُن لے
رامائن کی بات نہیں ہے
راج پاٹ کی بانٹ پڑے گی
ہر صُورت بٹوارہ ہو گا
یا ہم دونوں میں سے اک کو
اس دُنیا میں رہنا ہو گا
ابھی فیصلہ کرنا ہو گا

دونوں کے تیور بدلے ہیں
آنکھوں سے وحشت کے شعلے

نکل نکل کر کومل مکھڑے
بے رحمی سے جھلس رہے ہیں
دونوں کے ڈولے تھرکے ہیں
تیر کمانیں چوم رہے ہیں

مہا بیر بجر نگ بلی کے
پیروں کے نیچے سے دھرتی
دھیرے دھیرے سرک رہی ہے
آنکھوں سے جوتی کی کرنیں
جگنو کی صورت اپنا کر
اک اک کر کے نکل گئی ہیں

رن کو کھیل سمجھنے والا
جنیوں کا یہ شاہِ اعظم
دھرت پکڑ کر بیٹھ گیا ہے
جیسے اُس کے انگ انگ کو

فالج نے مفلوج کیا ہو
حیرت سے اپنا منہ کھولے
تو اور کُش کو دیکھ رہا ہے
والمیک نے یہ سب سُن کر
ایک ہاتھ سے جگر تھام کر
اپنے ارمانوں کی رچنا
رامائن کو آگ لگا دی
یعنی خود اپنے ہاتھوں سے
اپنے دل کی شہزادی کو
گلا گھونٹ کر مار دیا ہے
چیخ اُٹھا ہے ذرّہ ذرّہ
زیست نے سینہ پیٹ لیا ہے
ایسا عبرت ناک ہے منظر
جیسے دیکھ کر سیتا ماتا
اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر
اِس دھرتی کے پھٹ جانے کی
آج دُعائیں مانگ رہی ہے
لَو اور کُش کے طَور دیکھ کر

انمول نشانی

اُس محفل کی یادگار۔ انمول نشانی
رنگ رنگیلی چمکیلی شیشم کی کرسی
جس پر فن کا شہریار جلوہ ساماں تھا
جس کے آگے سبھی مفکّر اور دانش ور
بڑے ادب سے بار بار سجدے کرتے تھے
سبھی سخن ور جس پر ناز کیا کرتے تھے
لیکن اک دن زعمِ باطل کے کچھ پیکر
ہاتھوں میں احساسِ انا" کا پرچم تھامے
اُس محفل میں آئے اپنا رنگ جمانے
زور شور سے اپنی ڈفلی لگے بجانے
محفل کا یہ رنگ دیکھ کر شہریار نے
محفل ہی کیا شہرِ نگاراں چھوڑ دیا ہے

لیکن اُس محفل کی وہ انمول نشانی
رنگ رنگیلی چمکیلی شیشم کی کرسی
رہ رہ کر اپنی قسمت کو کوس رہی ہے
پھٹی پھٹی نظروں سے سب کو دیکھ رہی ہے

خمِ کاکُل



حرم سے دیر سے حسنِ بتاں سے
محبت ہے مجھے سارے جہاں سے

رہے ملحوظِ خاطر اہلِ فن کو
مقدم ہے زباں حسنِ بیاں سے

تیرے جور و ستم پر لب نہ کھولے
میں وہ مجبور دل لاؤں کہاں سے؟

نظام میکدہ پہ غور کیجیے
نظر آتے ہیں مے کش بے زباں سے

کوئی بجلی ابھی لپکی ہے شائد
دھواں سا اٹھ رہا ہے آشیاں سے

یہ طرفہ بانکپن! یہ دلبرائی!
مجھے تو عشق ہے اردو زباں سے

کھلیں گے ایسے اک دن پھول ساغر
مہک آئے گی سارے گلستاں سے



آہوں کا بہر حال اثر ہو کے رہے گا
جو حال اِدھر ہے وہ اُدھر ہو کے رہے گا
اب دردِ جگر نذرِ جگر ہو کے رہے گا
آرام باندازِ دگر ہو کے رہے گا
بدمست نگاہوں کا اثر ہو کے رہے گا
دیوانہ ترا خاک بسر ہو کے رہے گا
ہے عشق کی شدّت کا یہ عالم تو کسی دن
ہر قطرۂ اشک اپنا گہر ہو کے رہے گا
دُنیا کے چلن سے یہ نظر آتا ہے مجھکو
اِس دور میں ہر عیب ہُنر ہو کے رہے گا
ساغر وہ مجھے دیکھ کے مُنہ پھیر رہے ہیں
ظاہر ہے کہ اب خونِ جگر ہو کے رہے گا

○

ترے منہ پھیر کر جانے سے سوچا ہے کہ کیا ہوگا
جبینِ عشق ہوگی اور تیرا نقشِ پا ہوگا
تپِ غم - دردِ الفت دھڑکنیں آہیں تڑپ آنسو
انہی اجزا سے اربابِ وفا کا دل بنا ہوگا
تو ہوگا اور فغاں ہر لب ہزاروں تشنہ لب ساقی
خدا کے روبرو اک طرفہ ہنگامہ بپا ہوگا
قسم شوقِ جبیں سائی کے اخلاص و تقدس کی
جھکا ہوگا یہ سر تو تیرے در ہی پر جھکا ہوگا
ارادہ ترکِ الفت کا کیا تو ہے مگر ساغر
جب اُن کی یاد آئے گی تو دل کا حال کیا ہوگا؟



پردہ اٹھا کے طُرفہ ستم مجھ پہ ڈھا گئے
یعنی نظر پہ اور اک پردہ گرا گئے

آئی جب اُن کے گیسوئے عنبر فشاں کی یاد
دل پر حسین شام کے سائے سے چھا گئے

کس حادثے پہ دیدۂ شبنم ہے اشکبار
جھونکے نسیمِ صبح کے کیا گُل کھلا گئے

صہبا چھلک چھلک گئی ساغر کھنک اُٹھے
رندوں نے جب سُنا کہ وہ محفل میں آ گئے

بے آسروں کو جب نہ کسی نے پناہ دی
دونوں جہاں کے غم مرے دل میں سما گئے

اُس رہ نوردِ شوق کو منزل کہاں نصیب
دشتِ جنوں میں جس کے قدم ڈگمگا گئے

ساغر جو میکدے میں دکھائی نہیں دیئے
شاید جنابِ شیخ کی باتوں میں آ گئے



دُور آ پہنچے ہیں اب تو ہوش کی منزل سے ہم
مُسکرا اے دل گذر آئے ہیں ہر مُشکل سے ہم

بے خودی کے فیض سے اب کس قدر مانوس ہیں
گردشِ دوراں سے اور دُنیا کی ہر مُشکل سے ہم

آپ پہچانیں نہ پہچانیں یہ دیگر بات ہے
ورنہ وابستہ رہے ہیں آپ کی محفل سے ہم

شورشِ طوفاں سے اپنے دل کو بہلایا کئے
جب کبھی اُکتا گئے خاموشیٔ ساحل سے ہم

ہم محبت میں سیاست کے کبھی قائل نہیں
پیار کرتے ہیں جنہیں کرتے ہیں ساغرؔ دل سے ہم



ہر ذرّے کو صد رشکِ گہر ہم نے کیا ہے

یُوں دشت کو فردوسِ نظر ہم نے کیا ہے

پتھر کو بدل ڈالا گراں مایہ نگیں میں

دُشوار تھا یہ کام مگر ہم نے کیا ہے

جس شب کے زبُوں سائے میں گم تھی رہِ منزل

اُس شب کو سزاوارِ سحر ہم نے کیا ہے

گُل رنگ کیا خُون سے ہر خارِ چمن کو

تب قابلِ تسکینِ نظر ہم نے کیا ہے

طُوفانِ حوادث میں عزائم کے سہارے

ہر منزلِ دُشوار کو سَر ہم نے کیا ہے

پھُولوں کو دیا رنگ تو کلیوں کو تبسّم

یُوں صرفِ چمن خُونِ جگر ہم نے کیا ہے"

اِس خاک کے ذرّوں کو دیا درس خُودی کا

رخشندہ انہیں مثلِ قمر ہم نے کیا ہے

دیکھے جو اسے موت تو آجائے پسینہ

تخلیق وہ جینے کا ہُنر ہم نے کیا ہے

اِس وادیٔ گلپوش وطن کے لئے ساغر

ہنستے ہوئے کانٹوں پہ سفر ہم نے کیا ہے

○

تمہارا نام کیا آیا زُباں پر
ہوئی بارانِ رحمت کُشتِ جاں پہ

نگوں سر ہے جو تیرے آستاں پر
دماغ اُسکا نہ کیوں ہو آسماں پہ

چُھپا بیٹھا تھا وہ میرے ہی دل میں
جسے ڈھونڈا زمین و آسماں پر!

اِسے شکوہ نہ سمجھیں اہلِ محفل!
جو دِل میں تھا وہی آیا زُباں پہ

ابھی تک اک دُھواں سا اُٹھ رہا ہے
کبھی لپکی تھی بجلی آشیاں پہ

فسوں تھا تیرا اندازِ تخاطب
شکایت رہ گئی آ کر زُباں پہ

اِسے حُسنِ بیاں کہتے ہیں ساغرؔ
زمیں پہ میں ہوں شُہرت آسماں پہ



صبحِ خنداں ہو گئی شامِ الم تیرے بغیر
بڑھ چلا ہے اور بھی احساسِ غم تیرے بغیر

تجھ سے تیرے جَور کے شکوے کیا کرتے تھے ہم
یاد آتے ہیں ترے لُطف و کرم تیرے بغیر

کیا کہیں کس سے کہیں کیسے کہیں احوالِ دل
کوئی سُنتا ہی نہیں رودادِ غم تیرے بغیر

زندگی وہ زندگی جسکا مسرّت نام تھا
ہو گئی ہے سر بسر اک بارِ غم تیرے بغیر

یوں تو پہلے ہی تھا فقدانِ سکونِ دل مگر
ہے سَوا کچھ شدّتِ رنج و الم تیرے بغیر

روز و شب جن سے چھلکتی تھی شرابِ انبساط
اب وہی آنکھیں رہا کرتی ہیں نم تیرے بغیر

اپنے ہنگاموں سے جس دُنیا کو فرصت ہی نہیں
کیا کرے گی پُرسشِ بیمارِ غم تیرے بغیر

ہائے انجامِ محبت اُف مآلِ عاشقی
سب سے بیگانہ ہوئے جاتے ہیں ہم تیرے بغیر



مری آنکھوں سے روز و شب جو اشکوں کی روانی ہے
مری ناکامیوں، بربادیوں کی ترجمانی ہے

نثار اس لمحۂ عشرت پہ عمرِ جاودانی ہے
کہ میرے ہاتھ میں جامِ شرابِ ارغوانی ہے

بھلے برہم ہی ہو جائیں یہ اب کے جی میں ٹھانی ہے
اُنہی کے منہ پہ اپنی داستانِ غم سنانی ہے

کسی کی یاد کو محفوظ کر رکھا ہے سینے میں
محبّت کی امانت ہے محبّت کی نشانی ہے

مرا چھوٹا سا دل آئینۂ اسرارِ ہستی ہے
کہ اس آوارہ خو نے دو جہاں کی خاک چھانی ہے

مری رُوداد غم ہی اصل میں رُودادِ عالم ہے
حقیقت کی حقیقت ہے کہانی کی کہانی ہے

جہاں والو نہ ٹھکراؤ غمِ اُلفت کے ماروں کو
انہی کے دم ہی سے قائم وقارِ زندگانی ہے

ترے نام و تخلص میں کہاں اتنی کشش ساغرؔ
تری مقبولیت کا راز تیری خوش بیانی ہے

◯

رشکِ صد جنّت ہے میرے دِل کا کاشانہ ابھی
ہے نظر اِس پر کسی کی التفاتانہ ابھی

ابر ہے، مے ہے، ہوا چلتی ہے مستانہ ابھی
تو بھی یہ لمحے نہ کھو اُٹھ تھام پیمانہ ابھی

بادہ کش ہی رونقِ مے خانہ ہیں ساقی! نہ بھول
یہ اگر اُٹھ جائیں ہو جائے یہ ویرانہ ابھی

مَیں نے چھیڑی ہی تھی اپنی داستاں کہنے لگے
"ختم ہے یا اور بھی باقی ہے افسانہ ابھی؟"

بزمِ ساقی میں لئے جاتے ہو کیوں ساغر کو تم
"اُس نے سیکھے ہی نہیں آدابِ مے خانہ ابھی"

○

دلِ مضطر میں جب بھی آنچ سی محسوس کرتا ہوں
تو مے خانے میں آکر تازگی محسوس کرتا ہوں

ہجومِ رنج و غم میں بھی خوشی محسوس کرتا ہوں
محبت میں سرورِ زندگی محسوس کرتا ہوں

بڑی مدت ہوئی دل پر مرے اک چوٹ آئی تھی
خلش اسکی برابر آج بھی محسوس کرتا ہوں

زمانے سے تو کیا امید ہو تسکینِ خاطر کی
ترے لطف و کرم میں بھی کمی محسوس کرتا ہوں

تکلم میں تو جیسے پھول جھڑتے ہیں بجا ساغر
وہ چپ بھی ہوں تو لطفِ نغمگی محسوس کرتا ہوں



میرا دِل جب سے ناصبور نہیں
وہ بھی پہلے سے پُر غرور نہیں
ہر طرف ظلمتیں مسلط ہیں
زیست میں نام کو بھی نور نہیں
کچھ شکایت اور آپ سے توبہ!
کوئی شکوہ؟ نہیں حضور نہیں
ڈال دے اپنی کیف زا نظریں
مے میں رنگینی و سرور نہیں
عظمتِ زندگی وہ کیا جانے
جسکو جینے کا بھی شعور نہیں
میری دیوانگی پہ طنز نہ کر
جذبۂ عشق ہے فتور نہیں
جانے پھر کیوں ملول ہے ساغر
باوجودیکہ تجھ سے دور نہیں



یوں گردشِ ایّام اچانک جو ٹلی ہے
شاید کہیں رندوں میں مری بات چلی ہے

وہ جسمِ جواں ہے کہ دمکتا ہے نگینہ
یا آتشِ گل نور کے سانچے میں ڈھلی ہے

بیٹھا ہے عبث آس لگائے دلِ نادار
مفلس کی بھی دنیا میں کہیں دال گلی ہے؟

یہ بات الگ ہے کہ ہوں گل کی طرح خنداں
مجبور جوانی مری کانٹوں میں پلی ہے

ہر داغ کو رکھتا ہوں کلیجے سے لگا کر
اُس بت کی نشانی ہے بری ہے کہ بھلی ہے

رفتار کے انداز سے برپا ہے قیامت
گفتار کا ہر لفظ کہ مصری کی ڈلی ہے

غیروں کی طرح ملتے ہیں احباب سے احباب
ساغر یہ مرے شہر میں کیا رسم چلی ہے



فرہاد کی آہیں تھیں کہ طوفانِ بلا خیز
گُل ہو کے رہا شعلۂ سُلطانیٔ پرویز

آواز پہ آواز دیئے جاتی ہے منزل
اے جوشِ جنُوں تیز ذرا اَور قدم تیز

اے کاش کہ ایسے میں تم آجاؤ کہیں سے
مُطرب بھی ہے ساقی بھی ہے ساغر بھی ہے لبریز

صیّاد تو رخصت ہوا گُلشن سے کبھی کا
کیا جانیئے خاموش ہے کیوں مُرغِ سحر خیز

انسان تو دونوں ہیں مگر فرق ہے اتنا
عاشق کی نظر تیز ہے واعظ کی زُباں تیز

وہ طُرفہ شجر ہے چمنِ دل کی تمنّا
مسمُوم ہواؤں میں بھی دیکھا جسے گل ریز

یوں شورِ من و تو میں یہاں کون سُنے گا
اے مُطربِ دل سازِ محبت کی نوا تیز

ساغر جو غمِ عارض و گیسو میں گذر جائے
وہ صبح طرب ناک ہے وہ شام دلاویز



کوئی ہنگامہ نہیں کوئی تگ و تاز نہیں
ڈھب سے جینے کے تو اے دوست یہ انداز نہیں
میرے ماحول پہ طاری ہوا کیسا یہ سکوت
دل کی دھڑکن کے سوا کوئی بھی آواز نہیں
دل میں اظہارِ تمنّا کے بھڑکے ارماں کیا کیا
اُس نے پوچھا ہے تو اب حلق میں آواز نہیں
دل پہ گنجینۂ آلام نے مارا ہے وہ ڈنک
کوئی تریاق بھی جس پر اثر انداز نہیں
طائرِ شوق نہ پَر تول کہ میرا ماحول
وہ قفس ہے جہاں گنجائشِ پرواز نہیں
جب سے وہ راحتِ جاں مجھ سے خفا ہے ساعرؔ
بزمِ عشرت بھی مرے حق میں طرب ساز نہیں



جگر کے درد کو جزوِ جگر بنا لیں گے
کمالِ ضبط سے ہر آہ کو دبا لیں گے
پڑا جو وقت تو شمشیر بھی اٹھا لیں گے
بڑھیں گے سینۂ ظلمت کو چیر ڈالیں گے
شبِ فراق میں غم کو گلے لگا لیں گے
تمہاری یاد کے دل میں دیئے جلا لیں گے
غمِ حیات کے ماروں کی آبرو کے لئے
ملے جو زہر بھی ہنستے ہوئے چڑھا لیں گے
خرد وروں کو تو فرصت نہیں ہے عشرت سے
نظامِ زیست کو اہلِ جنوں سنبھالیں گے
ہم اہلِ لوح و قلم خونِ دل کی گرمی سے
بشر کی ذات کو انسانیت میں ڈھالیں گے
کہو یہ ساقیٔ خود سر سے اب روش بدلے
وگرنہ رند یہ مے خانہ توڑ ڈالیں گے
وفورِ عشق میں سب کچھ لٹا کے ہم ساغر
کسی کے دل میں تو اپنی جگہ بنا لیں گے

کچھ بھی تو شانِ عشق کے شایاں نہ ہو سکا
ہم سے علاجِ گردشِ دوراں نہ ہو سکا
سلجھا دیا ہے عشق نے جو عقدۂ حیات
ہوش و خرد سے آج تک آساں نہ ہو سکا
پہنچی ہے یوں تو عقل کی پرواز عرش تک
اس دور کا بشر مگر انساں نہ ہو سکا
دشتِ الم میں آپ کی حدِ نظر سے دور
میں گل تھا جو کہ زیبِ گلستاں نہ ہو سکا
ساغر! سوائے سرگذشتِ دردِ ناتمام
کچھ بھی مری حیات کا عنواں نہ ہو سکا



شوالے ہیں جو بُت بن کر مکیں ہے
حرم میں بھی وہی پردہ نشیں ہے
حسین و دل نشیں صُورت بشر کی
نہ ہو سیرت حسیں تو کچھ نہیں ہے
مُقدّس سرزمیں میرے وطن کی
حریفِ عظمتِ عرشِ بریں ہے
ہوا برہم تو کچھ رُوپ اور نکھرا
بگڑ کر بھی تری صُورت حسیں ہے
سکونِ قُرب ہو یا دردِ فُرقت
بہر عنواں محبّت دل نشیں ہے
تری زُلفوں کے سائے میں جو گُذرے
وہ غم کی دوپہر کتنی حسیں ہے
کریں ہم کیوں طوافِ دَیر و کعبہ
کہاں وہ شوخ جلوہ گر نہیں ہے
نگاہِ مست سے پیتا ہوں ساغر
مے و مینا کی اب حاجت نہیں ہے

○

پتھر نہیں یہ دل ہے نہ یوں پائمال کر
نازک ہو شے تو رکھتے ہیں اُسکو سنبھال کر

جو ہو سکے جواب دے میرے سوال کا
ممکن نہ ہو تو آ کوئی تجھ سے سوال کر

اک لمحہ انتظار کر اے جذبۂ جنوں
میں آ رہا ہوں ہوش کا کانٹا نکال کر

خالق نے کیا حسیں ترا پیکر بنا دیا
آتش کو رنگ و نور کے سانچے میں ڈھال کر

اے تشنگیٔ کام و دہن اِسقدر بھی کیا
مے خانۂ حیات کا کچھ تو خیال کر

پیتے ہی اُس کے ہاتھ سے ساغر بہک گئے
اب میکدے سے لے چلو اِن کو سنبھال کر



جس میں سرمستیٔ حیات نہ تھی
وہ تری چشمِ التفات نہ تھی

کہہ دیا تو نے جاوداں اِس کو
اصل میں عشق کو ثبات نہ تھی

سو گئی کیوں امیدِ دل بے وقت
کیا کبھی زندگی میں رات نہ تھی

سست چلتی ہے نبضِ ہستی کیوں
ایسی پہلے تو کوئی بات نہ تھی

دل کو جس نے بنا دیا بسمل
تیر تھا نگہِ التفات نہ تھی

صبح سے شوخ تھے ترے جلوے
زلف سے بڑھ کے کوئی رات نہ تھی

دونوں عالم سما گئے جس میں
وہ مرا دل تھا کائنات نہ تھی

پیار کرنے سے پیشتر ساغر
کیف پرور مری حیات نہ تھی



خونِ دل یوں ترے دیوانے بہا دیتے ہیں
رہگزاروں کو بھی گلزار بنا دیتے ہیں

اب وہ بیٹھے ہوئے دامن کی ہوا دیتے ہیں
آخرِ وقت مجھے دادِ وفا دیتے ہیں

لذّتِ غم بھی ہے کچھ چیز انہیں کیا معلوم
نشۂ عیش میں جو عمر گنوا دیتے ہیں

گاہ اک گھونٹ بھی مانگو تو عنایت نہ کریں
گاہ مے خانے کا مے خانہ لٹا دیتے ہیں

محفلِ حسن سے اٹھنے کا کبھی نام نہ لوں
وہ تو یہ کہیئے کہ حالات اٹھا دیتے ہیں

شیخ رندانِ خرابات کی صحبت سے نہ ڈر
یہ تو بندے کو خداوند بنا دیتے ہیں

گر کے آنسو کی طرح خاک میں مل جاتا ہے
وہ جسے اپنی نگاہوں سے گرا دیتے ہیں

وہ تو فریاد و فغاں کا بھی خطا وار نہیں
آپ کس جرم کی ساغرؔ کو سزا دیتے ہیں

کسی کے عشق نے اس درجہ دیوانہ بنا ڈالا
کہ اپنی ذات سے بھی مجھ کو بیگانہ بنا ڈالا

دکھا کر حسن کا جلوا نظر سے کیا ہوئے اوجھل
محبّت کے چمن زاروں کو ویرانہ بنا ڈالا

وہ آئے روبرو میرے گرے آنکھوں سے دو آنسو
بس اتنی بات تھی یاروں نے افسانہ بنا ڈالا

نظر میں مستیاں بھر کر یہ کیسا جام چھلکایا
کہ جتنے پارسا تھے ان کو مستانہ بنا ڈالا

وہ آئے صحنِ گلشن میں تو مے برسی بہاروں سے
نظر جس گل پہ ڈالی اسکو پیمانہ بنا ڈالا

اثر میری محبّت کا نہ مجھ سے پوچھ اے ساغر
مری دیوانگی نے ان کو دیوانہ بنا ڈالا



چشمِ ساقی کی عنایت ہو گئی
ہو گئی بارانِ رحمت ہو گئی

جب سے اس بت سے محبت ہو گئی
زندگی گویا عبادت ہو گئی

تم کہاں اور میرا غم خانہ کہاں
آج یہ کیسی عنایت ہو گئی

عشق سادہ لوح رسوا ہی رہا
دانشِ پُرفن کی شہرت ہو گئی

یاد پھر آیا کوئی محشر خرام
دل میں پھر برپا قیامت ہو گئی

جب سے دل شائستۂ غم ہو گیا
زندگی پیغامِ راحت ہو گئی

وہ ستم کش ہوں کہ اب ہر چوٹ پر
مسکرانا میری عادت ہو گئی

جس کے پہلو سے کبھی اٹھتے نہ تھے
اب اسی ساغر سے وحشت ہو گئی



دل میں ہزار غم ہیں محبت جواں نہیں
شاید تری نگاہ ابھی مہرباں نہیں
جس نے بھی تیرے حسن کو دیکھا ہے ایکبار
اُسکی نظر میں کچھ بھی مہ و کہکشاں نہیں
اے دل بھلا تو بھاگ کر جائیگا کس جگہ
یہ غم یہ حادثے یہ مصائب کہاں نہیں؟
جس میں نہ ذکر ہو غمِ لیلیٰ و بہار کا
ایسی تو اِس جہاں میں کوئی داستاں نہیں
اب کیوں تڑپ رہا ہیں فلک پر یہ بجلیاں
اُجڑے ہوئے چمن میں کہیں آشیاں نہیں
کس کو سنائے مرگِ محبت کی داستاں
ساغر کا اِس جہاں میں کوئی رازداں نہیں



آپ کے شکوے تو سُنتے آئے ہیں روزانہ ہم
آرزُو ہے آج اپنا بھی کہیں افسانہ ہم
کرکے تفسیرِ حدیثِ شعلہ و پروانہ ہم
کہہ رہے ہیں اُن سے اپنے درد کا افسانہ ہم
اِس طرف بھی اک نگاہِ لُطف اے شاہِ جمال
لے کے آئے ہیں خلُوصِ شوق کا نذرانہ ہم
اُن کی بزمِ ناز میں آکر بھی افسُردہ ہے تُو
اب کہاں لے جائیں تجھ کو اے دِلِ دیوانہ ہم؟
اک نگاہِ مست ادُھر اے ساقیٔ گیسو بدوش
ہو چلے آسودۂ مے خانہ بے پیمانہ ہم
تُو بھلا کیا گردشِ دَوراں ڈرائیگی ہمیں
چُوم لیتے ہیں اجل کے ہونٹ بے باکانہ ہم
یوں غمِ ماحول کی شدّت سی ساغر دل میں ہے
آج پی آئیں کہیں مے خانے کا مے خانہ ہم



ترے جہان میں خوشیاں منا رہا ہے کوئی
غمِ حیات پہ آنسو بہا رہا ہے کوئی
نظر میں قلب و جگر میں سما رہا ہے کوئی
تخیّلات کی دُنیا پہ چھا رہا ہے کوئی
بہت حسین غزل آج گا رہا ہے کوئی
مرا فسانۂ غم ہی سُنا رہا ہے کوئی
قدم قدم پہ کرشمے دکھا رہا ہے کوئی
ہنسا ہنسا کے مجھے اب رُلا رہا ہے کوئی
جلاؤ شمعِ مسرّت اُٹھاؤ سازِ طرب
مٹاؤ تیرگیٔ محفل میں آ رہا ہے کوئی
غمِ زمانہ کو ٹھکرا کے بے نیازی سے
ترے خیال میں سرمست جا رہا ہے کوئی
کچھ اس ادا سے مجھے دیکھتے ہیں ماہ و نجوم
کہ جیسے عرش پہ مجھ کو بلا رہا ہے کوئی
نہیں جام و صراحی نہیں ہوں میں ساغر
نگاہِ مست سے بے خود بنا رہا ہے کوئی



کوئی تازہ ستم نہیں ہوتا
اب وہ لطف و کرم نہیں ہوتا
لاکھ سعیِ علاج کی لیکن
دردِ دل ہے کہ کم نہیں ہوتا
جس میں شامل نہ ہو خلوص اے دوست
وہ کرم بھی کرم نہیں ہوتا
جب مسرت کی آرزو نہ رہے
غم بہ اندازِ غم نہیں ہوتا
خودگری میں کمال حاصل کر
خود سے کچھ بھی اہم نہیں ہوتا
جس قدر ہے پلا کہ رندوں کو
کیف و کم کا بھرم نہیں ہوتا
اب تو ہنگامِ عیش بھی ساغر
غم کا احساس کم نہیں ہوتا



کیا خوب ترے غم نے مشکل مری آساں کی
کچھ پیش نہیں جاتی اب گردشِ دوراں کی
پھر جھوم کے ابر اُٹھا پھر میکدہ یاد آیا
اُس دشمنِ ایماں نے پھر زلف پریشاں کی
گردابِ حوادث کی آغوش کے پالوں کو
ہر موج سفینہ ہے بپھرے ہوئے طوفاں کی
چاہیں تو ہم اہلِ دل سوزِ غمِ پنہاں سے
"ذرّے کو چمک دے دیں مہر و مہِ تاباں کی"
لب امن کے داعی ہیں دل جنگ کا حامی ہے
کیا خوب سیاست ہے اِس دَور کے اِنساں کو
کچھ اور تمنّائیں مدفون ہوئیں دل میں
کچھ اور بڑھی رونق اِس خانۂ ویراں کی
بیمارِ محبّت کے لب تو نہ ہلے ساغرؔ
پُر درد نگاہوں نے شرحِ غمِ پنہاں کی



تم آئے میکدے کی فضا ہی بدل گئی
جام و سبو چمک اُٹھے محفل سنبھل گئی

مجھ کو محال تھا شبِ ہجراں کا کاٹنا
تم یاد آ گئے تو یہ آفت بھی ٹل گئی

مہر و وفا ہے اب نہ کہیں وہ خلوص ہے
میں ہی بدل گیا ہوں کہ دُنیا بدل گئی؟

کیوں بڑھ رہا ہے درد کا احساس دمبدم
کیا ان کی یاد بھی مرے دل سے نکل گئی؟

کیا کیجیے گا پرسشِ احوال چھوڑیے
اللہ کا شکر ہے کہ طبیعت سنبھل گئی

حاصل ہے زندگی محبت ہی کو ثبات
یہ چیز وہ نہیں ہے جو آج آئی کل گئی

تیرے شباب و حسن کی تفسیر کیا کریں
اک آگ تھی جو نور کے سانچے میں ڈھل گئی

ساغر وہ آج خود ہی سرِ بام آ گئے
ہم تشنگانِ شوق کی حسرت نکل گئی



ایسی دُنیا کی جُستجو ہی نہیں
جس میں بندوں کی آبرو ہی نہیں

خُوگرِ غم بنا لیا دل کو
اب مُسرّت کی آرزو ہی نہیں

اِسکو کہتے ہیں انتہائے ستم
ایک مُدّت سے گفتگو ہی نہیں

ابر، مطرب، شراب، نغمہ، رقص
اور سب کچھ ہے ایک تُو ہی نہیں

مُسکراتے ہیں قتل کر کے مجھے
جیسے میرا لہو لہو ہی نہیں

دونو عالم تو اختیار میں ہیں
دلِ خانہ خراب تو ہی نہیں

مل ہی جاتی ہمیں بھی منزلِ شوق
کیا کریں شوقِ جُستجو ہی نہیں

اب کے فصلِ بہار میں ساغر
لالہ و گُل میں رنگ و بُو ہی نہیں



کھٹک رہا ہے نگاہِ اہلِ چمن میں کیوں میرا آشیانہ
کہ اُن کی حاجت روائی پر منحصر نہیں میرا آب و دانہ

مرق یہ رائے ہے ہمنشیں کشیدہ خاطر سے مخلصانہ
کبھی شیشہ پر نہ ختم کیجیے گا ایک مدت کا دوستانہ

صدائے زنجیر پھر اُٹھی ہے چھڑا ہے زنداں میں پھر فسانہ
قفس نصیبوں کے دل میں آئی ہے ہو نہ ہو یادِ آشیانہ

کہاں کی عشرت کہاں کی راحت مجھے ہے جینے کی تھوڑی مہلت
غمِ محبت کو کیا کروں میں پکارتا ہے غمِ زمانہ

تری رعونت کا نشہ ساقی تری نگاہوں سے اُڑ رہا ہے
وہ جا رہا ہے ترا زمانہ وہ آ رہا ہے مرا زمانہ

ہنسی اُڑاؤ نہ خاکساروں کی شیش محلوں میں رہنے والو
اُٹھا کے پتھر تمہاری جانب لپک نہ آئے کوئی دوانہ

مرے خدایا میں تیری دُنیا میں ایسے انساں کو ڈھونڈتا ہوں
اُکھاڑ پھینکے جو تیشۂ فکرِ نو سے کوہِ غمِ زمانہ

ہوس پرستوں کا اِن دیاروں میں ہو گذر بھی یہ غیر ممکن
کہ اُن کے وہم و گماں سے بھی دُور تر ہے ساغر کا آستانہ



یہ کون اُٹھ گیا محفل سے کس کا ماتم ہے
یہ کس کے غم میں زمانے کی آنکھ پُر نم ہے

مرے عزائم راسخ میں اِسقدر دم ہے
کہ آئے میرے مقابل یہ کس میں دم خم ہے

یہ فصل گُل یہ گھٹائیں یہ بزم شعر و سخن
اُٹھاؤ جام کہ پینے کا آج موسم ہے

"کہو جی کیسی طبیعت ہے" کہہ کے ہنس دینا
کہو یہ پرسشِ غم ہے کہ یورشِ غم ہے

ہمیں کو اُس نے کیا منتخب جفا کیلئے
یہ لطفِ خاص کرم پروری سے کیا کم ہے

ہمیں نے اپنے لہو سے کیا چمن سیراب
مزاجِ اہلِ گلستاں ہمیں سے برہم ہے

مزاجِ حُسن بھی کیا طرفہ رنگ ہے ساغر
یہ گاہ شعلۂ سوزاں ہے گاہ شبنم ہے



عجب تیرگی ہے عجب خامشی ہے
یہی زندگی ہے تو کیا زندگی ہے
وہی اُن کے چتوَن وہی برہمی ہے
وہی ہے تغافل - وہی بے رُخی ہے
نظر آ گئے تم تو لب پر ہنسی ہے
جو سچ پوچھو جی بھر کے رونے کو جی ہے
نہ جانے کہا کیا نسیم سحر نے
یہ کیوں آتشِ گُل بھڑک سی گئی ہے
اچانک ہوئی تیز تر دل کی دھڑکن
مجھے پیار سے کس نے آواز دی ہے
سمجھتے تھے ہم جسکو جانِ تبسم
اُسی نے لبوں سے ہنسی چھین لی ہے
اچانک مرے حال پر رو دیئے وہ
کلی سنگِ مرمر میں کیسی کھلی ہے
سرِ شام بہکے ہیں ساغر شفائیؔ
یقیناً تری مست آنکھوں سے پی ہے

(بہ شکریہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر)



وفا کی راہ پہ بیٹھا ہوں ہاتھ پھیلائے
عجب نہیں جو محبت کی بھیک مِل جائے

سجی ہے محفلِ عیش و طرب کہ تم آئے
بڑے خلوص سے رندوں نے جام چھلکائے

حقیر اِس کے عوض ہے نشاطِ دو عالم
ترے دیار سے ہم جو متاعِ غم لائے

کہاں کی راہگذر اور کہاں کی منزلِ شوق
جنونِ عشق ہے چاہے جدھر کو لیجائے

اُٹھائے دل نے وہ صدمے کہ اب یہ عالم ہے
کسی نے پیار سے دیکھا تو اشک اُمڈ آئے

کسی کی چشمِ کرم سے بھی دل بہل نہ سکا
ہم اہلِ دل پہ زمانے نے وہ ستم ڈھائے

فرار عشق سے ممکن نہیں جوانی میں
مگر یہ واعظِ ناداں کو کون سمجھائے

یہ قربِ دوست یہ جام و سبو یہ شب ساغر
خدا کرے اِسی عالم میں دم نکل جائے



اِس شہر کے لوگوں نے کیا طرح نکالی ہے
ہر ہاتھ میں کاسہ ہے ہر آنکھ سوالی ہے

پُر ہَول اندھیرے میں پھر شمع جلالی ہے
پھر تیرا خیال آیا پھر بزم سجالی ہے

دل کش بھی ہے پیاری بھی ایک ایک ادا اُسکی
جس شوخ نے ہنسنے کی کلیوں سے ادالی ہے

کچھ پھُول کھلائے تھے لیکن مرے یاروں نے
خوشبُو کی تو کیا کہیئے رنگت بھی اُڑا لی ہے

یہ رات گئے کس نے دروازے پہ دستک دی
تو ہے ترا قاصد ہے یا کوئی سوالی ہے؟

سرمایۂ برگ دگُل سونپیں تو کسے ساغر
گلچیں بھی وہ ٹھہرا جو باغ کا مالی ہے

(بشکریہ: آل انڈیا ریڈیو۔ جالندھر)

آنکھ چُرا کر جانے والے تو نے بھی یہ سوچا ہے
یوں لگتا ہے میرا تیرا جنم جنم کا رشتا ہے

نیکی اور شرافت کا دُنیا میں صلہ یہ ملتا ہے
ہمسائے نے میرے سینے میں اک خنجر گھونپا ہے

مطلب اور خوشامد ہر سُو قدم قدم پر دھوکا ہے
مَیں نے اِس دُنیا کو یارو ... ہر پہلو سے پرکھا ہے

مَیں نے کوئی جُرم کیا ہے آپ نے کیوں تیور بدلے؟
مَیں نے تو رسماً اخلاقاً آپ کا نام ہی پوچھا ہے

کِن اعمال نے تجھ کو اتنا بزدل کر ڈالا اے دوست!
جس سے ڈر کر بھاگ رہا ہے تیرا اپنا سایا ہے

کتنا بوجھل بوجھل جی تھا تیری یادوں کے قربان
رات کو اتنا کھُل کر روئے اب دل بالکل ہلکا ہے

اُس کے حال پہ آج وہی احباب کھڑے مسکاتے ہیں
جن کی درد بھری یادوں میں ساغر ڈوبا ڈوبا ہے

O

بدلی کے سائے کے پیچھے اُڑتے اُڑتے پنچھی نے
کڑی دھُوپ میں ناحق اپنے پر جھلسائے پنچھی نے
نیل گگن میں تیر تیر کر شوخ سُنہرے پنچھی نے
اپنا آپ کیا ہے نیلا اُس دیوانے پنچھی نے
صبر کا دامن کبھی نہ چھوڑا بھُوکے پیاسے پنچھی نے
تیرے لطف کے نغمے گائے سانجھ سویرے پنچھی نے
دھرتی پر بے درد شکاری اُسکی تاک میں بیٹھ گئے
اُڑنے کو جب نیل گگن میں پنکھ پسارے پنچھی نے
راحت کے پہلو میں زحمت شادی کے ہمدوش غمی
چڑھتے سُورج کے سنگ دیکھے ڈھلتے سائے پنچھی نے
اپنے کھیت سے چوگ چُگا اور اپنے حال میں مست رہا
قدم قدم پر بکھرے دیکھے یوں تو دانے پنچھی نے
خوف کے مارے میرے گھر میں آنا جانا چھوڑ دیا
جب سے دیکھے ہیں لوگوں کے اصلی چہرے پنچھی نے
ساغرؔ کیوں توڑی وہ ڈالی جس پر رین بسیرا تھا
تم کیا جانو کیسے کاٹے رات کے لمحے پنچھی نے



یہ مجسّم کیف یہ حسنِ سراپا کون ہے؟
تو نہیں تو پھر خیالوں میں یہ تجھ سا کون ہے؟
اُس مکاں کی دل کشی تسلیم لیکن دوستو!
دیکھنے کی بات یہ ہے اُس میں رہتا کون ہے؟
یوں تو پڑھنے کی طرح پڑھتے ہیں مجھکو سب مگر
میں شعورِ آدمیت ہوں سمجھتا کون ہے؟
یہ شرابی ماہتابی رات یہ چنچل ہوا
رنگ و نکہت میں نہا کر اتنا نکھرا کون ہے؟
اُس کی خاطر زندگی سے میں نے سمجھوتا کیا
اب ہوئی ہے معترض دنیا یہ دنیا کون ہے؟
توڑ ڈالا مینکا نے پھر کسی یوگی کا تپ
آج پھر پربت کی چوٹی سے پھسلتا کون ہے؟
بے بلائے روز آجاتا ہے تنہائی کے وقت
مجھکو آئینہ دکھاتا ہے یہ لڑکا کون ہے؟
مجھ کو سینے سے لگا لے ساغرِ بے کس ہوں میں
میرا اک تو ہے جہاں میں اور میرا کون ہے؟

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر)



ہوتا ہے میرا ذکر یوں لوگوں کے درمیاں
سرگوشیاں ہوں جس طرح بھوتوں کے درمیاں

ہونے کو لاکھ فرق ہو جسموں کے درمیاں
اک ربطِ لازوال ہے رُوحوں کے درمیاں

موجود ہے وہ شوخ حسینوں میں اِس طرح
جیسے فلک پہ چاند ہو تاروں کے درمیاں

محفل میں آج کون فسُوں کار آگیا
ہونے لگی ہے گفتگو گونگوں کے درمیاں

اپنوں میں اِحتیاط سے رہتا ہوں اِس طرح
جیسے زُبان رہتی ہے دانتوں کے درمیاں

سویا ہے بے لباس یہ دُنیا سے بے نیاز
لیٹا ہوا ہے کون یہ شعلوں کے درمیاں؟

توبہ شکن ہے شام اُسے گھر پہ نہ ڈھونڈیئے
ساغر ملے گا آپ کو رندوں کے درمیاں



زلفِ دراز پہ نہ قدِ یار پہ نظر
رکھتے ہیں سرفروش سرِ دار پہ نظر

ڈالیں خوشی سے رونقِ بازار پہ نظر
لازم ہے رکھیں وقت کی رفتار پہ نظر

پہلے تھی میری فکر کی مہکار پہ نظر
اب ہو گئی ہے گرمیٔ گفتار پہ نظر

گم ہے وہ شخص اور ہی عالم میں یوں جیسے
دیوار پر نظر کبھی اخبار پر نظر

جس پر لگا ہوا ہے اک عریاں سا پوسٹر
جاتی ہے بار بار اُس دیوار پہ نظر

جو خون پی رہے ہیں انھیں دیکھتا نہیں
ہے محتسب کی رندِ قدح خوار پہ نظر

گہرائیوں میں ڈوب کر پڑھتا ہے لفظ لفظ
اک مہرباں کی ہے مرے اشعار پہ نظر

ساغر جو خود سے ملنے کی ہو آرزو تو آپ
تنہائیوں میں کیجئے کردار پہ نظر

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر)



چاندی کا شفّاف کٹورا مستی میں چھلکائے چاند
رات کو پچّے دُودھ کی بارش دھرتی پر برسائے چاند

اک ذرّے کی خاطر دل نے راج سنگھاسن چھوڑ دیا
عقل کے آئینے میں یوں تو ہم نے لاکھ دکھائے چاند

ہائے وہ پہلی رات ملن کی کیسے چُپ کی بھینٹ ہوئی
یہی سوچتے ہوا سویرا شاید کچھ فرمائے چاند

غم کی چادر تان کے جب مَیں سنّاٹے میں سوتا ہوں
نُورانی ہاتھوں سے میرے زخموں کو سہلائے چاند

یادوں کے رس تاج محل کی زیبائش توبہ توبہ!
پُورنیما کو جمنا تٹ پہ جب جلوہ فرمائے چاند

ساز اٹھاؤ نغمہ چھیڑو شوق سے عید مناؤ تم
دیکھو ساغر کی آنکھوں میں مند مند مسکائے چاند

دن میں چلتا ہے اکڑ کر شورویروں کی طرح
رات کو ڈرتا ہے تو بزدل امیروں کی طرح

وقت پر خواہش کا پنچھی اُڑ گیا اچھا ہوا
ورنہ رہتا تھا مرے دل میں اسیروں کی طرح

یہ کمالِ پُر فنی ہے اس طلسمی شہر میں
سنگریزوں کو سجا رکھا ہے ہیروں کی طرح

خوشبوؤں کی جستجو میں ایسا آوارہ ہوا
دل کہیں رکتا نہیں رمتے فقیروں کی طرح

اپنے ہاتھوں اُس نے پہنا کر مجھے زخموں کا تاج
خواب زاروں میں اتارا ہے سفیروں کی طرح

سر جھکائے ہم کھڑے ہیں اس کڑکتی دھوپ میں
بیکراں صحرا میں آدھے جھلسے کریروں کی طرح

تجربوں نے مجھ کو بخشی دولتِ فکر و نظر
مصلحت سے مانگنا کیا بے ضمیروں کی طرح

داد دو ساغرؔ وطن میں بھی رہے خانہ بدوش
زندگی کاٹی انہوں نے راہگیروں کی طرح

دیدۂ دروں کو کب کہیں پردا دکھائی دے
اٹھے نگاہ جس طرف جلوا دکھائی دے

ناداں یہ بھی جز ہے اک آفتاب کا
تجھکو جو اک حقیر سا ذرّا دکھائی دے

جس در کی جستجو میں بھٹکتے ہو شہر شہر
اُس در پہ پہنچ کر اگر تالا دکھائی دے؟

کیا ہو سراب زیست بہ دربانِ تشنگی
دریا مرے نصیب کا سوکھا دکھائی دے

ساغر نہ پوچھ اہلِ سیاست کے باب میں
ہر شخص اِس حمام میں ننگا دکھائی دے



میں اُسے دیکھا کیا جب تک نظر آتا رہا
ریل کی کھڑکی سے نازک ہاتھ لہراتا رہا

نفس کو مَیں قتل کر کے روز دفناتا رہا
صُبحدم وہ ساتھ سورج کے نکل آتا رہا

چاندنی کے پیرہن میں ہائے وہ پُر کیف شب
پیکرِ خوشبو مرے کمرے کو مہکاتا رہا

دیکھ کر بکھرے گُلوں کو خاک میں ملتے ہوئے
اشکِ عبرت دیر تک پلکوں پہ ٹھہراتا رہا

بارہا دُنیا میں آیا ہوں بدل کر پیرہن
وہ بہر حیلہ مجھے سُولی پہ لٹکاتا رہا

کارواں کی گرد ہی میں وہ بھٹکتا رہ گیا
دیر تک جو خیمۂ راحت میں سستاتا رہا

نامہ لکھ بیٹھا کہ سمجھا تھا اُسے ساغرؔ نواز
عُمر بھر اپنی نادانی پہ پچھتاتا رہا



دھرتی کی بیٹی مٹیالی وہ ناری
ایک دیہاتی بھولی بھالی وہ ناری
کبھی بنے سرسوں کی ڈالی وہ ناری
کبھی لگے گیہوں کی بالی وہ ناری
من کا اجالا پن رقصاں ہے چہرے پہ
کالی ہے پر لگے نہ کالی وہ ناری
دکھ جھیلے سکھ بانٹے اور دل شاد رہے
البیلی۔ المست۔ نرالی وہ ناری
مانو تارے سب گن لے کر برہما نے
انسانی پیکر میں ڈھالی وہ ناری
گلی گلی چرچا اُس کی غمخواری کا
سب کا درد بٹانے والی وہ ناری
کبھی پلائے کچا دودھ کٹورے میں
کبھی پروسے پیار سے تھالی وہ ناری

کبھی تَیر کر نکلے سوچ کی گنگا سے
کبھی بجاتی آئے تالی وہ ناری

جھلکے ہے تلسی کا بُوٹا آنگن میں
کرے سلیقے سے رکھوالی وہ ناری

ہنس ہنس کر جگ پیڑا کا وِش پان کرے
میٹھے بولوں کی متوالی وہ ناری

کرے پالنا پاکیزہ مریادا کی
گھر کو سؤرگ بنانے والی وہ ناری

جانے اُس کے کان میں کیا جادو پھونکا
ساؔغر نے ہم راز بنالی وہ ناری

تازہ نظم

بیس نُکتے

یہ بیس نُکتے
ہیں ایک انساں کے
ہاتھ پیروں کی انگلیوں کی عظیم طاقت
یہی وہ نُکتے ہیں
جن سے بھارت میں اک نیا انقلاب آیا

یہ بیس نُکتے
جنہوں نے میرے وطن کی کایا کو
از سرِ نو پلٹ دیا ہے
ہماری مُردہ رگوں میں پھر سے
نیا جواں خُوں رواں کیا ہے
اُداسیوں کے شکار جسموں میں
اک نئی رُوح پھونک دی ہے

یہ بیس نکتے

جو فکر و دانش کی عظمتوں کا
حسین مرکز بنے ہوئے ہیں
وشال بھارت کی بے مثال و عظیم رہبر
مہان اندرا نے
قوم کو دے دیئے ہیں فکر و عمل کی خاطر
انہیں کے دم سے ہم اپنے قدموں پہ اٹھ سکیں گے
یہ بیس نکتے ہمارے سب مسئلوں کا حل ہیں
وہ اُگ رہا ہے مسرّتوں کا سنہرا سورج
وہ دور آیا کہ آیا یارو!
کسی سے کوئی بڑا نہ ہوگا
نہ بھید بھاؤ کی بات ہوگی
نہ مذہبوں کا سوال ہوگا
سبھی کو نیائے ملے گا یکساں
مسرّتوں کے سنہرے سورج کی ضو فشانی سے
چہرہ چہرہ دمک اٹھے گا
دیارِ بھارت کا ذرّہ ذرّہ چمک اٹھے گا

رنگ و نکہت

پلکوں پہ چراغوں کو جلاتا ہوں مَیں
اشکوں کو سلیقے سے سجاتا ہوں مَیں
اِس باغی و آوارہ و ناداں دل کو
آداب محبّت کے سکھاتا ہوں مَیں

سرسوں کو ہتھیلی پہ جما سکتے ہو
تم سر پہ قیامت بھی اُٹھا سکتے ہو
رائی کا پہاڑ تو بنایا تم نے
کیا رائی کا اک بیج بنا سکتے ہو؟
(صنفِ رُباعی سے خطاب)

تقدیر کا بگڑا ہوا تیور ہوں مَیں
اِس پر بھی ترے حُسن کا زیور ہوں مَیں
تو صابر و بیدار کی محبوب سہی
ساغر ہوں مَیں ساغر ترا دیور ہوں مَیں

اُفشاں

کاجل میں نہائی ہوئی کالی آنکھیں
پلکوں کی اسیری میں سوالی آنکھیں
کیا جانیئے کیا مانگ رہی ہیں تجھ سے
اس شوخ حسینہ کی غزالی آنکھیں

جب صبح کو گلزار میں ہوتا ہوں میں
احساس کو فطرت میں سموتا ہوں میں
باسی پھولوں پہ جب نظر پڑتی ہے
غنچوں کے تبسم پہ بھی روتا ہوں میں

عرفان کی کشتی کو جو کھیتا ہوں میں
ہر جام ترے نام کا لیتا ہوں میں
کچھ کیف میں ساغر سے اڑا کر چھینٹے
ماحول کو رنگینیاں دیتا ہوں میں

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر)

آئینۂ حقیقت کا دکھا سکتا ہوں
دنیا کے ابھی ہوش اُڑا سکتا ہوں
شاعر ہوں میں شاعر اے نگارِ گیتی!
گھونگھٹ ترے چہرے سے اُٹھا سکتا ہوں

انسان کی عظمت کا پرستار ہوں میں
جمہور کے لشکر کا کماں دار ہوں میں
احساس کے کانوں سے سُنو اے لوگو!
شعلہ بہ دہن وقت کی للکار ہوں میں

کاوش کو حکایات سُناتا ہوں میں
پھر فکر کی قندیل جلاتا ہوں میں
یوں غم کدۂ دل کو منوّر کر کے
احساس کو آئینہ دکھاتا ہوں میں

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو جالندھر)

بدلے گا ہواؤں کا قرینہ اک دن
سرمائے کا ڈوبے گا سفینہ اک دن
سیلابِ بلا خیز میں ہوگا تبدیل
مزدور کے ماتھے کا پسینہ اک دن

اے شیخ ازاں پیش کہ پینا سیکھو
رندانِ خود آگاہ سے جینا سیکھو
شائستۂ تہذیبِ خمستاں ہو کر
آدابِ مے و ساغر و مینا سیکھو

مے خانے کے ہر جام کے دل سے پوچھو
یا بادۂ گلفام کے دل سے پوچھو
کس درجہ خوش اوقات ہے ساغر لو گو
یہ گردشِ ایّام کے دل سے پوچھو

سرمست تھا دولت کے نشے میں کیسا
تقدیر کی ٹھوکر نے ہے مارا ایسا
قاروں کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا کبھی
اب مانگتا پھرتا ہے جو پیسا پیسا

آشوب زدہ شام ہے آؤ کہ پئیں
کیا شورش و کہرام ہے آؤ کہ پئیں
اک شورِ قیامت ہے بپا ہر جانب
مے خانے میں آرام ہے آؤ کہ پئیں

ان شیخ و برہمن کو کئی یُگ بیتے
میدانِ سیاست کی لڑائی جیتے
اب آ کے زمانے نے جو کروٹ لی ہے
کم بخت مرے جاتے ہیں کھاتے پیتے

معصومؔ جواں اور خضابی چہرے
ہر رنگ کے دیکھے ہیں کتابی چہرے
کمیاب سہی اب بھی مگر ملتے ہیں
مے خانے میں رندوں کے گلابی چہرے

پہنچے ہیں ترے رند یہاں شام ڈھلے
ملنے کو ہے انوار سے ظلمات گلے
خوش رنگیٔ ماحول کے صدقے ساقی
محفل میں ذرا دورِ مے و جام چلے

کیا تو نے کہا زیست کو رنگین نہ کر
دنیا میں کسی ذوق کی تسکین نہ کر
عیش اور محبت سے جوانی میں گریز!
واعظ! مرے جذبات کی توہین نہ کر

ہُشیار ہے تو ٹھیک ہے ہُشیار سہی
نادان ہوں میں اسکا بھی اقرار سہی
واعظ! چلو مانا کہ محبت ہے گُناہ
کیا تجھ کو پڑی ہے میں گُنہگار سہی

سوچتے ہیں حیاتِ شبنم پر
رنج و فکر و مصائب و غم پر
ہم محقق ہیں رازِ ہستی کے
ناز کرتی ہے زندگی ہم پر

تیری آنکھوں کی گہری جھیلوں میں
جب بھی جھانکا ہے خود کو پایا ہے
لوگ کہتے ہیں جسکو نشہ شباب
درحقیقت مرا ہی سایا ہے

گاتے ہوئے لہراتے ہوئے گھوم کے آؤ
ساغر کے چمکتے ہوئے لب چوم کے آؤ
اوروں کو پلاتے رہو تم ہوش میں ساقی
جب میری طرف آؤ ذرا جھوم کے آؤ

موجوں میں کسی طور گذارا نہ ہوا
تنکے کا سہارا بھی گوارا نہ ہوا
میں بڑھ کے اُلجھ جاتا حوادث سے مگر
تیرا ہی تو افسوس اشارا نہ ہوا

آنکھ سعیٔ تجسّس میں پتھرا گئی
کن خلاؤں میں سپنے مرے سو گئے
شامِ غم کا اندھیرا مٹے کس طرح
آپ تو عید کا چاند ہی ہو گئے

دوستوں نے زندگی نے کب کہاں دھوکے دیئے؟
اُف مآلِ عاشقی کچھ یاد بھی آتا نہیں
مجھ کو ٹھکرایا تھا کس کس نے بتا دیوانگی!
تاکہ اُٹھ جائے مرے دل سے محبت کا یقیں

تیرے چہرے سے تقدّس یا تری عصمت کا نور
ایسے چھنتا ہے کہ جیسے مے برستی ہو کہیں
تو سراپا پیکرِ حسن و شباب و رقص و کیف
دونوں عالم میں نہیں کوئی بھی شے تجھ سی حسیں

ریت کا ٹیلہ وہی شب کا سماں چنچل ہوا
جام کو تھامے ہوئے شاعر غزلخواں نازنیں
دو دلوں کی دھڑکنوں کا ساز رقصاں چاندنی
کیا یہ اپنی تو نہیں تصویر اے زہرہ جبیں؟

شیخ صاحب کو شراب و شعر سے رغبت نہیں
آدمی ہوتے ہوئے انساں سے بھی اُلفت نہیں
کوئی سمجھائے کہ چھوڑے آرزوئے خلد و حور
دہر میں موجود ہے دوزخ کہیں جنّت نہیں

مُعطّر کر کے اپنا ذہن خوشبوئے تصوّر سے
کبھی تنہائیوں میں خود ہی سے سرگوشیاں کی ہیں
خُدا شاہد کہ مَیں نے خُود فراموشی کے عالم میں
تری تصویر کی شایانِ شاں گلپوشیاں کی ہیں

یہ ملاقات بھی کچھ مُلاقات ہے؟
جیسے پہلو نشیں ہو کوئی اجنبی
آنکھ ملتی نہیں بات ہوتی نہیں
کیسے ٹوٹے طلسمِ سکوتِ شبی؟

رُباعی

تقدیس کی تفسیر نظر آتی ہے
اقوام کی تقدیر نظر آتی ہے
عورت ہے وہ شہکار کہ جس کے دل میں
خالق کی بھی تصویر نظر آتی ہے

قطعہ

جس میں جھُلسے گئے ہیں مرے جسم و جاں
اُس سُلگتے ہوئے درد کو جانیئے
میں وہی آپ کا ساغرِ زار ہوں
غور سے دیکھیئے مجھ کو پہچانیئے

تیرہ سامانیوں میں گذارا سہی
جگمگاتے ہوئے دل کے ارمان ہیں
شب پسندو ہمیں جھُک کے سجدہ کرو
آنے والی سحر کی ہمیں جان ہیں